ماہنامہ نصرۃ العلوم فروری ۲۰۲۲ء

[جلد ۲۷، شمارہ ۲]

::: **فہرست** :::

حالات و واقعات　--- ○ ---

مولانا زاہد الراشدی
شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

فوجداری قانون میں ترامیم اور عدلیہ کا کردار

ملک کے فوجداری قوانین میں نئی اصلاحات لائی جا رہی ہیں اور گزشتہ روز اسلام آباد میں فوجداری قانون اور نظام انصاف کے حوالہ سے ایک تقریب سے خطاب ہوئے وزیراعظم عمران خان نے کہا ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں ہے اور عدالتی نظام انصاف فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہے، اس لیے یہ اصلاحات لائی جا رہی ہیں اور ان پر عملدرآمد کرانے کے لیے عدلیہ کو کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ اصلاحات کیا ہیں؟ ان کا پس منظر کیا ہے؟ مقاصد کیا ہیں اور متوقع نتائج وثمرات کیا ہوں گے؟ ان سب پہلوؤں پر سنجیدہ گفتگو کی ضرورت ہے، مگر یہ اس کے بارے میں تفصیلات سامنے آنے پر ہی ہو سکے گا بلکہ ملک کے قانونی، دینی اور علمی حلقوں سے ہماری گزارش ہوگی کہ وہ اس معاملہ کو روٹین ورک کے طور پر نہیں بلکہ اس کی اہمیت اور نتائج کی روشنی میں موضوع بحث بنائیں اور اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر اپنی آراء کا اظہار کریں مگر سردست اصولی حوالہ سے ہم کچھ گزارشات بطور تمہید عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس امر سے ہمیں مکمل اتفاق ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں ہے اور یہ درست ہے کہ موجودہ نظام عدل قانونی، سماجی اور تہذیبی انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ ہمارے ہاں یہ روایت سی بن گئی ہے کہ وقتی طور پر کچھ ترامیم واصلاحات یا لیپا پوتی کے ذریعہ مسئلہ کو ''کیموفلاج'' کر دیا جاتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی مسئلہ ازسرنو سامنے آ جاتا ہے اور ہم پھر سے ترامیم واصلاحات کا کوئی نیا فارمولا طے کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم کولہو کے بیل کی طرح گزشتہ پون صدی سے ایک ہی دائرے میں چکر کاٹتے جا رہے ہیں۔

جبکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کی صورت میں ہم نے قوم کو اس کی تہذیبی روایات واقدار کے تحفظ اور

اس کے عقیدہ کے مطابق قرآن وسنت کے احکام کی عملداری کا مژدہ سنایا تھا اور دستور میں اس کی واضح گارنٹی دی تھی جو اب بھی دستور کا حصہ ہے لیکن قیام پاکستان کے مقاصد اور دستوری تقاضوں کی تکمیل کے لیے نیا انتظامی اور عدالتی ڈھانچہ فراہم کرنے کی بجائے اس سب کچھ کو اسی عدالتی وانتظامی سسٹم کے حوالے کر دیا گیا جو نوآبادیاتی دور سے ہمارے سارے معاملات کو کنٹرول کر رہا ہے اور اس سسٹم کے کم وبیش تمام افراد مجموعی طور پر نوآبادیاتی دور کے ماحول اور طریق کار کو نہ صرف پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہیں بلکہ اس کے تحفظ کا کردار ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے نیا نافذ ہونے والا کوئی بھی قانون ''فائیل ورک'' اور معاشرتی خرابیوں کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دے رہا، مثال کے طور پر صرف ایک بات کو دیکھ لیا جائے کہ دستور نے قرآن وسنت کے احکام وقوانین کے نفاذ کو عدلیہ اور انتظامیہ کی ذمہ داری قرار دے رکھا ہے، مگر عدلیہ اور انتظامیہ کے لیے ججوں اور افسروں کی تعلیم وتربیت کے نظام میں قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم شامل نہیں ہے، یعنی ایک افسر یا جج کی یہ ذمہ داری تو ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی پاسداری کرے مگر جس تعلیمی نظام ونصاب سے گزر کر وہ اس منصب تک پہنچا ہے اس میں قرآن وسنت بطور مضمون شامل نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی افسر یا جج نے اگر اپنے طور پر قرآن وسنت کے احکام وقوانین کی پاسداری کا ارادہ بھی کر لیا ہے تو اسے ذاتی معلومات، سنی سنائی باتوں یا محض مطالعہ کی بنیاد پر ایسا کرنا ہوگا اور ایسا عملاً ہو رہا ہے جو ہمارے خیال میں خود اس جج وافسر کے ساتھ بھی ناانصافی اور زیادتی ہے کہ اسے ایسے نظام یا قوانین کی عملداری کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا ہے جس کا اس کے پاس علم نہیں ہے اور اسے اس سے واقف کرانے کا کوئی سسٹم بھی موجود نہیں ہے۔

اس لیے ہمارے خیال میں ملک میں سماجی انصاف یا کسی بھی شعبہ میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لیے اصل مسئلہ قانون نہیں بلکہ قانون پر عملدرآمد کرانے والے افسران اور انتظامی وعدالتی ڈھانچے کے افراد کا اس قانون کے ساتھ ساتھ اس کے پس منظر اور مقاصد ونتائج سے باخبر ہونا ہے جس کے بغیر نہ وہ اس قانون کا صحیح طور پر نفاذ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس قانون کو معاشرے میں انصاف اور قانون کی حکمرانی کے لیے بروئے کار لا سکتا ہے، اس لیے اصل بات نوآبادیاتی نظام اور اس کے انتظامی وعدالتی ڈھانچے سے نجات حاصل کرنے کی ہے جو دستور کی بالادستی اور دستوری تقاضوں کے مطابق انتظامی وعدالتی ڈھانچے کی فراہمی کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور جس کے لیے ہمارے مقتدر حلقے ابھی تک ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں اور نہ ہی معروضی حالات میں مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان دکھائی دے رہا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں ہے اور عدالتی نظام سماجی انصاف کے تقاضے پورے

نہیں کر پا رہا اور پھر چند ترامیم و اصلاحات کا اعلان کر کے ان کی عملداری کی ذمہ داری اسی انتظامی و عدالتی نظام کے سپرد کر دینا کم از کم ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا اور میر تقی میر مرحوم کے بقول یہ سارا عمل

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوتے جس کے سبب
اس عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

کا مصداق نظر آ رہا ہے، اس لیے مقتدر حلقوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ وقفہ وقفہ کے ساتھ ترامیم و اصلاحات کا نیا ڈول ڈالتے رہنے کی بجائے ملک کے انتظامی و عدالتی نظام کو نوآبادیاتی مزاج و کردار کے ماحول سے باہر لانے کی کوشش کریں، اس کے سوا اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔

بدلنا ہے تو مے بدلو نظام مے کش بدلو
وگرنہ چند پیمانے بدل جانے سے کیا ہوگا؟

''کیپیٹلزم اور کمیونزم وغیرہ کی کشمکش میں انصاف اور فطرت کا راستہ صرف اسلامی نظامِ حیات ہے جو اعتدال اور توازن کے ساتھ انسانی معاشرہ کے تمام طبقات کے حقوق و مفادات کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، لیکن اصل چیلنج اسلام کو ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے پیش کر کے اس کی افادیت ثابت کرنے کا ہے۔''

[مولانا زاہد الراشدی]

خطبہ جمعۃ المبارک (غیر مطبوعہ) --- ○ --- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
بانی جامعہ نصرۃ العلوم

اِنعاماتِ الٰہی کا جائز اور ناجائز استعمال اور ماہِ رجب کی رسومات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ، رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَo (یونس۔۸۸)

مضامین سورۃ یونس

محترم حاضرین و برادران اسلام! میں نے اس وقت آپ کے سامنے سورۃ یونس کی آیت نمبر ۸۸ تلاوت کی ہے، یہ ایک لمبی سورت ہے، جو کہ ایک سو نو آیات پر مشتمل ہے، یہ سورۃ اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کے نام کے ساتھ موسوم ہے، کیونکہ اس میں آپ کی قوم کا واقعہ مذکور ہے، یونس علیہ السلام کے علاوہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تبلیغ اور اپنے پیغمبروں کے ساتھ ان کی بدسلوکی کا ذکر کیا گیا ہے، خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر آج کی تلاوت کردہ آیت میں ہے، جو آپ نے اپنی قوم کے لیے کی تھی۔

اس سورۃ مبارکہ میں دین کے چاروں بنیادی مسائل توحید باری تعالیٰ، رسالت، وقوع قیامت اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت کو بیان کیا گیا ہے، تاہم مسئلہ رسالت کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی رسالت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام دونوں کو بنی اسرائیل اور قوم فرعون

کی طرف رسول بنا کر بھیجا، نسلی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، تاہم اس دور میں فرعون کی قبطی قوم بھی کثیر تعداد میں موجود تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں انبیا علیہما السلام کو ان دونوں اقوام کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا، اصلی خلافت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔ آپ صاحب کتاب رسول تھے۔ تاہم آپ کی اپنی سفارش پر اللہ نے آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور پھر دونوں کو حکم ہوا اِذْهَبَـا اِلٰـى فِـرْعَـوْنَ اِنَّـهٗ طَغٰى ۝ (طٰہٰ ۔۴۳) کہ تم فرعون کی طرف جاؤ کیوں کہ وہ بڑا سرکش ہو چکا ہے، اسے جا کر ہمارا پیغام پہنچاؤ، میرے معجزات بھی ساتھ لے جاؤ، اس کے سامنے پیش کرو اور ساتھ یہ بھی یاد رکھو فَـقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَـذَكَّـرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ ۔۴۴) کہ فرعون کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا، ترش روش اختیار نہ کرنا، شاید اسی بنا پر وہ نصیحت حاصل کر لے، یا اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔

تبلیغ میں نرمی کی ضرورت

کسی شخص کو دین کی بات سمجھانے کے لیے اللہ نے نرمی کا رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے، سختی اختیار کرنے سے مخاطب بدظن ہو سکتا ہے اور دین کے کام میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہے، دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا، اُدْعُ اِلٰـى سَبِيْـلِ رَبِّكَ بِـالْـحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (النحل۔۱۲۵) آپ دعوت دیں اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بہتر طریقے سے بحث و مباحثہ کریں، جب تعزیر کا وقت آتا ہے، تو وہ سختی کا مقام ہوتا ہے، وہاں نرمی نہیں کی جاتی، اسی لیے اللہ نے فرمایا، کافروں کے ساتھ سختی کریں، البتہ منافقوں کے ساتھ زبانی طور پر سختی کرنے کا حکم ہے، انھیں قتل کرنے کی اجازت نہیں، انہیں صرف زبانی طور پر ذلیل کرنے کا حکم ہے اور ان کے ساتھ رواداری برتنے کی اجازت نہیں ہے، بہرحال اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو تبلیغی مشن پر فرعون کے پاس بھیجا اور ساتھ نصیحت کی کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا، کیونکہ ابھی یہ تبلیغ کا مرحلہ ہے، اگر وہ کفر اور ظلم و تعدی پر بھی بضد رہا، تو پھر اس کے لیے تعزیر کا وقت بھی آ جائے گا، اس وقت اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی، بلکہ پوری پوری سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

فرعونیوں کا انکار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں رہ کر سال ہا سال تک فرعونیوں کو اللہ کا پیغام سنایا، اللہ کی طرف سے عطا

کردہ نشانیاں دکھائی، انھیں ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے، سورۃ اعراف میں فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کا یہ وطیرہ بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی ان پر کسی قسم کا عذاب آتا، تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے التجائیں کرتے کہ اپنے رب سے عذاب کو دور کرنے کی دعا کریں، اگر اللہ تعالیٰ ہماری یہ سختی دور فرما دے گا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے، اللہ نے فرمایا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (اعراف۔۱۳۵) پھر جب ہم ان سے وہ عذاب ایک مدت تک کے لیے دور کر دیتے، تو وہ اچانک اپنے عہد کو توڑ دیتے اور پھر کفر و شرک اور ظلم و تعدی کا راستہ اختیار کر لیتے۔

اس طریقے سے ایک لمبا عرصہ گزر گیا، موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کو سمجھاتے رہے، معجزات پیش کرتے رہے، حتیٰ کہ ان پر عذاب کی آمد آمد بھی ہوتی، مگر وہ تکلیف دور ہو جانے کے بعد پھر مکر جاتے، آخر کار جب حجت تمام ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہٹ دھرمی اور مسلسل انکار سے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ کے حضور وہ دعا کی جس کا ذکر آج کی تلاوت کردہ سورۃ یونس کی آیت میں اللہ نے کیا ہے میں اسے بطور مثال عرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق آج ہماری زندگیوں کے ساتھ بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے حضور یوں دعا کی۔ ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال عطا کئے ہیں رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ تاکہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں، یہ دراصل استفہامیہ جملہ ہے کہ اے پروردگار! کیا تو نے فرعونوں کو دنیا کی زینت اور مال و متاع کے اسباب اس لیے مہیا کیے ہیں کہ یہ تیرے بندوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں، دراصل یہ بھی انکار کا ایک اسلوب ہے کہ مولا کریم تو نے ان بدبختوں کو مال و دولت کی فراوانی اس لیے تو نہیں دی کہ یہ بدبخت تیری عطا کردہ نعمت کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال میں لائیں۔

شکر نعمت

حقیقت میں جس شخص یا قوم کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازے اسے اللہ کی سرکشی اختیار کرنے کی بجائے نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس کا شکر ادا کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور مزید انعامات عطا کرتا ہے، اللہ نے اصول کے طور پر فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ (ابراھیم۔۷) اگر تم شکر نعمت کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب بندہ خوراک کا ایک لقمہ منہ میں ڈالتا ہے یا پانی کا ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارتا ہے اور الحمد للہ کہہ کر اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، تو اللہ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا ہے، ناشکری نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکر گزاری کرنا بہت بڑا جرم ہے، جس کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ میری سزا بھی بڑی سخت ہے، ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ اس نے میلا کچیلا لباس پہن رکھا تھا اور بحیثیت مجموعی بھی نہایت خستہ حال دکھائی دیتا تھا، اللہ کے نبی نے اس سے دریافت کیا، کیا تیرے پاس کوئی مال نہیں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا حضور! اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے، بھیڑ بکریاں ہیں، گائے، بھینس ہے، اونٹ ہے، لونڈی غلام ہے، آپ نے فرمایا کہ جب اللہ نے تم پر اس قدر انعام کیا ہے، تو پھر تم ایسی خستہ حالت میں کیوں ہو، ان انعامات کا اثر تمہارے جسم اور لباس سے ظاہر ہونا چاہیے، تم نے پھٹا پرانا لباس پہن رکھا ہے، چہرہ اور جسم بھی آسودہ حال دکھائی نہیں دیتا، یہ تو اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی علامت ہے، جو کہ تمہارے لیے ہرگز روا نہیں ہے۔

قوم فرعون کا مومن آدمی

اللہ تعالیٰ کی تمام تر نعمتیں پانے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے سردار کفر اور شرک پر ڈٹے رہے اور لوگوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کرتے رہے، موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند کوشش کی کہ اللہ کا پیغام پہنچایا، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات پیش کیے، مگر فرعونی قوم اپنی ضد پر اڑی رہی، پوری قوم میں سے صرف ایک آدمی کے ایمان لانے کا ذکر ملتا ہے، اسی مومن آدمی کے نام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سورۃ مومن نازل فرمائی، جس میں اس شخص کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آیا، مگر فرعونیوں کے ڈر سے اپنے ایمان کو چھپا کر رکھا تھا، اس آدمی کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی، کیونکہ ایمان ظاہر ہو جانے کی صورت میں اسے فرعون کی طرف سے سخت سزا کا خطرہ تھا۔

ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممبر پر تشریف فرما ہو کر قوم فرعون کے مومن بندے کا تذکرہ کیا اور پھر اس کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو ان دونوں حضرات میں سے اشجع الناس یعنی بہادر کون تھا؟ پھر آپ نے خود تفصیل بیان کی کہ قوم فرعون کا مومن آدمی اپنے ایمان کو جان کے خطرے کی وجہ سے چھپاتا تھا اور ادھر ابوبکر صدیق ؓ کا حال یہ تھا کہ ایک موقع پر جب کافروں نے حضور علیہ السلام کو مارنے

کے لیے حملہ کیا تو حضرت صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بچانے کے لیے آگے بڑھے تو کافروں نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ کے سر کے بال ہی اڑ گئے، اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ظالموں تم اس شخص کو محض اس لیے مارنا چاہتے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ ہے، گویا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایمان کا کھل کر اظہار کیا، جبکہ قوم فرعون کا مومن آدمی اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا، یہ بیان کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب روئے، اور فرمایا کہ بلاشبہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ بہادر تھے، جنہوں نے اپنے ایمان کا برملا اظہار کیا اور اپنے نبی کو بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل گئے۔

فرعون کی مومنہ بیوی

خود فرعون تو بڑا ظالم جابر اور مستبد تھا جو کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النازعات۔۲۴) تمہارا بڑا رب تو میں ہوں، مگر خدا کی شان کہ اس کی اپنی بیوی آسیہ بنت مزاحم مومنہ تھی جب فرعون کو اس کے ایمان کا پتا چلا تو اسے اس بے دردی کے ساتھ قتل کیا کہ اسے تختے پر لٹا کر اس بیچاری کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھوکے اور پھر اوپر سے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا، اللہ نے قرآن پاک میں اس مومنہ عورت کا ذکر خیر کیا ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (تحریم۔۱۱) اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے، جب کہ اس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنادے اور مجھے فرعون کے کارندوں سے نجات دے اور اس پوری قوم سے مجھے نجات دے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کی صداقت و امانت اور عبادت گزاری کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں سے تو بہت سے کامل مرد ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں چند ایک ہی کاملہ ہوئی ہیں، جن میں مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہا (والدہ عیسیٰ علیہ السلام) آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (زوجہ فرعون) اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ام المومنین) شامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو صدیقیت کے مرتبے پر فائز کیا۔ اللہ نے عورتوں میں سے نبی تو کسی کو نہیں بنایا، مگر نبوت کے بعد صدیقیت کا مرتبہ ان عورتوں کو ضرور حاصل ہوا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں میں ایسی ہے جیسے تمام کھانوں میں ثرید کو افضلیت حاصل ہے، آپ نے حضرت فاطمہؓ کے متعلق فرمایا کہ فاطمہ سیدة النسا الجنة میری بیٹی جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہوگی، یہ کمال درجے کی

عورتیں ہیں جن میں فرعون کی بیوی بھی شامل ہے اور جسے بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔

قوم فرعون پر عذاب الیم کی آمد

الغرض فرعون کی پوری قوم میں فرعون کی بیوی آسیہ اور ایک مومن آدمی اللہ پر ایمان لائے، باقی سب کفر اور شرک پر ہی اڑے رہے، پھر جب اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل پڑے، تو فرعون اور اس کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے پوری فوج کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے پورے لشکر کو مع فرعون اور اس کے حواریوں کے بحیرہ احمر میں غرق کر دیا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔

آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھک ہار کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ پروردگار ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو اس طرح تباہ کیا (طمس کا معنی مٹا، دینا برباد کر دینا) کہ ان کا جمع کیا ہوا روپے پیسہ اور ذخیرہ شدہ اناج سب پتھر بن گئے اور ان کے کسی کام نہ آئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں فرعون کے زمانے کا ایک تھیلا آپ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے پوچھا کہ قوم فرعون کے اموال کس طرح برباد ہوئے، تو انہوں نے تھیلے سے ایک انڈا نکالا، اسے توڑا، تو اس کے اندر والا قابل استعمال حصہ پتھر بن چکا تھا، پھر انھوں نے مسور کا ایک دانہ اور گندم کا ایک دانہ دکھایا، جو کہ پتھر بن چکے تھے، انہوں نے اس زمانے کے سکے بھی دکھائے جو پتھروں کی صورت میں تبدیل ہو چکے تھے، جن سے وہ کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مولا کریم ان کے مالوں کو طمس کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ تاکہ یہ جب تک اپنی آنکھوں سے دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں، ایمان ہی نہ لائیں اور جب اللہ تعالیٰ عذاب الیم کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور مجرم لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ لیتے ہیں، تو اس وقت ان کا ایمان لانا قبول نہیں ہوتا، موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا مطلب یہی تھا کہ اب ظالموں کو دنیا سے نابود ہی ہو جانا چاہیے، یہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

اموال کی تباہی

موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے پیش نظر میں آپ کی خدمت میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی ہے اسے وہ مال گمراہی کے راستے پر خرچ نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ مال تباہ ہو جانے کے

قابل ہے، اللہ کے نبی ایسے گمراہ کن مالوں کو مٹا دینے کی دعا کرتے تھے، اس میں ہمارے لیے درس عبرت ہے کہ اگر ہم بھی اپنے مالوں کو غلط راستے پر خرچ کریں گے تو ہمارے مال بھی مٹ جانے کے قابل ہیں، جو مال شرک و کفر، بدعت اور رسم و رواج پر خرچ کیا جا رہا ہے، کھیل تماشے اور عیاشی و فحاشی پر صرف ہو رہا ہے، جوئے بازی اور شراب نوشی گانے بجانے پر خرچ کیا جا رہا ہے، وہ مال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے مصداق باقی رہنے کے لائق نہیں ہیں، بلکہ اسے نابود ہو جانا چاہیے۔

اموال کا غلط استعمال

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے مال کن کن مدوں میں خرچ ہو رہے ہیں کہیں پتنگ بازی ہو رہی ہے تو کہیں کبوتر بازی کا دھندہ جاری ہے، کہیں آتش بازی ہو رہی ہے، پٹاخے چلائے جا رہے ہیں بینڈ باجے بج رہے ہیں، موسیقی سے دل بہلایا جا رہا ہے، ناچ گانے ہو رہے ہیں، آج مسلمانوں کی تو شادی ہی نہیں ہوتی جب تک وہ مال کا معتد بہ حصہ حرام کاموں میں صرف نہ کریں، فضول روشنی، بینڈ بازی، بارود بازی، جھنڈیاں لگانا، محراب بنانا، مسلمانوں کے مشاغل ہیں، جن میں بے دریغ روپے صرف کیا جاتا ہے، منگنی اور مہندی کی رسومات اس کے علاوہ ہیں، پر تکلف کھانے کھلائے جاتے ہیں، لمبی چوڑی باراتیں آتی ہیں اور پھر ولیمہ کا وسیع انتظام اخراجات کی مد میں ہے، اگر اللہ نے مال دیا ہے تو وہ غریب پروری پر کیوں نہیں خرچ کیا جاتا، بیواؤں اور ناداروں کو ان کی ضروریات کیوں نہیں پہنچائی جاتی، مشکل سے گزراوقات کرنے والوں کو ان کے کاروبار میں مدد کیوں نہیں دی جاتی، بے سہارا لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد کیوں نہیں دی جاتی، کرنے کے کام تو یہ ہے نہ کہ مال کو نام نہاد نمود و نمائش کی نظر کر دیا جائے، ایسے اموال تو مٹا دیے جانے کے قابل ہیں جو صحیح راستے پر خرچ نہیں ہوتے۔

یاد رکھنا ایسے اموال کو مٹانے کی مختلف صورتیں جو ہمارے روزمرہ مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا میں مبتلا کرتا ہے تو وہ محسوس بھی نہیں ہوتی، حتی کہ سزا یافتہ قوم تنزل کے گڑھے میں جا گرتی ہے، دوسری قوم کی غلامی میں آ جانا بہت بڑی سزا ہے، مالی اخلاقی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر ہو جانا بھی اللہ کی طرف سے پیدا کردہ ایک سورۃ ہے، اخلاق کا بگڑ جانا، مذہب اور دین سے بیگانہ ہو جانا، معصیت کا عام ہو جانا بھی سزا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ترقی کر رہے ہیں، مگر حقیقت میں تنزل کے گڑھے میں جا رہے ہوتے ہیں۔

ماہ رجب اور اس کے تقاضے

اب میں آپ کو ماہ رجب سے متعلق مسئلہ بھی سمجھانا چاہتا ہوں، رجب کا معنی عزت والا ہوتا ہے، ماہ رجب

چار حرمت والے مہینوں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم میں سے ایک ہے، ان حرمت والے مہینوں میں نیکی کا ثواب دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کا جرم بھی زیادہ قابل گرفت ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی ماہ رجب کی تعظیم کی جاتی تھی اور مشرک لوگ اس ماہ کی تعظیم کے طور پر جانور ذبح کرتے تھے، جیسے عتیرہ کا نام دیا جاتا تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے عتیرہ اور فرع دونوں کو ناجائز قرار دے دیا، عتیرہ کا دوسرا نام رجبیہ بھی ہے، ماہ رجب کی تعظیم کے طور پر جانور ذبح کرنا شرک ہے، کیونکہ یہ غیر اللہ کی تعظیم میں جانور ذبح کیا جاتا تھا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سو جانور، بھیڑ، بکریاں یا اونٹ عطا کرتا تھا، وہ منت مانگتا تھا کہ جب اس کے جانوروں کی تعداد ایک سو ایک ہو جائے گی، تو وہ ایک جانور فلاں معبود کی نیاز میں پیش کرے گا، فرمایا یہ کفر اور شرک ہے اور اسلام میں ایسے کام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے آپ بلا تعین ماہ و دن کسی وقت بھی جانور ذبح کر کے محتاجوں کو کھلا سکتے ہیں، یہ باعث اجر و ثواب ہوگا، مگر کسی مہینے کی تعظیم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے جب چاہے ذبح کریں، درست ہے۔

ماہ رجب کی فضیلت

رجب کا مہینہ عزت والا مہینہ ہے جب یہ مہینہ شروع ہوتا تو نبی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ رب العزت میں اس طرح دعا کرتے اللّٰھم بارك لنا فی رجب وشعبان وبلغنا الی رمضان اے اللہ ہمیں رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں ماہ رمضان تک پہنچا دے، کتنی اچھی دعا ہے کہ مولا کریم ماہ رجب شعبان کو ہمارے لیے بابرکت بنا دے، ان مہینوں میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے اجر میں بھی اضافہ فرما، نیز ہمیں ماہ رمضان کی سعادت سے بھی محروم نہ رکھنا، بلکہ ہمیں ماہ رمضان کی برکات سے بھی مستفید ہونے کی توفیق بخش۔

تحویل قبلہ کا حکم بھی اسی ماہ رجب میں ہوا، ہجرت کے بعد پہلے سترہ ماہ تک مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر دو ہجری میں اللہ کے نبی کی انتہائی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا، اس وقت سے لے کر دنیا بھر کے مسلمان بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں، بعض روایات کے مطابق نبوت کے گیارویں یا بارہویں سال معراج کا واقعہ بھی اسی ماہ رجب میں پیش آیا، جب آپ کو بیت المقدس اور ساتوں آسمان کی سیر کرائی گئی۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈے

اس مہینے رجب میں ایک خاص قابل ذکر رسم امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈے ہیں، کونڈے بھرنے کی رسم ماہ رجب کی بائیسویں تاریخ کو ادا کی جاتی ہے، جو کہ بدعات میں داخل اور گناہ ہے، مشہور یہ ہے کہ اس تاریخ کو امام صاحب کی وفات ہوئی تھی، مگر یہ قطعی بات نہیں ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ماہ شوال میں وفات پائی تھی، اگر رجب میں بھی ہوئے ہوں تو بائیسویں تاریخ کو کونڈے بھرنے کی رسم کہاں سے ایجاد ہوئی، اس کا کچھ پتا نہیں، یہ بھی ایسے ہی بے دلیل ہے جیسے گیارویں کی رسم ایجاد بندہ ہے، اگر امام جعفر صادق کو ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو آپ قرآن کریم پڑھ کر دعا کریں، مسکینوں کو کھانا کھلائیں، انہیں کپڑ پہنائیں یا ضرورت کی کوئی دوسری اشیا مہیا کریں، مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈال لیں کہ کسی دینی مدرسے کے کام میں تعاون کریں، طالب علموں کو قرآن کریم یا دوسری کتابیں مہیا کریں اور اس عمل کا ثواب امام جعفر صادق کو ایصال کریں، تو درست ہے۔ مگر خاص تاریخ کو کونڈے بھرنا اور ساتھ قید یہ کہ چھت کے نیچے بیٹھ کر کھانا ہے، یہ پابندی کہاں سے آ گئی، حقیقی صدقہ خیرات کرنے میں، سال، ماہ و دن یا وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ یہ پابندی ہے کہ یہ عمل کھلے عام کرنا یا چھت کے نیچے انجام دینا ہے، یہ سب خود ساختہ باتیں ہیں جو صحیح صدقہ خیرات کو بھی مشکوک بنا دیتی ہیں۔

اسی طرح بعض دہلی والے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ اس نیاز کا کھانا وہ عورت نہیں کھا سکتی جس نے دو نکاح کیے ہوں، خدا جانے یہ رسم کہاں سے نکلی ہے، شریعت میں تو نکاح ثانی پر کوئی قید نہیں اور اگر کوئی عورت واقعی صدقہ خیرات کی مستحق ہے تو پھر دو نکاح والی شرط خلاف شرع ہے، اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ بھی ایک بیہودہ رسم ہے اور بدعات میں ہے۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر گیارہویں کا اہتمام نہ کیا تو مال اور اولاد کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، اس میں تقرب غیر اللہ پایا جاتا ہے، جو کہ شرک ہے، ہر ماہ گیارہویں دینا بذات خود بدعت ہے اس سے بچنا چاہیے، اگر شیخ عبدالقادر جیلانی کو ایصال ثواب مقصد ہے تو وہ کسی تاریخ یا دن کو بھی کیا جا سکتا ہے، مگر اسے رسم کے طور پر منانا غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق کے سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا الٰه الا انت استغفرك واتوب اليك ۔

(تاریخ خطبہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۵ء)

مولانا محمد فیاض خان سواتی

شوقِ مطالعہ

اچھائی کا اصل معیار

شاعرِ مشرق علامہ سر محمد اقبالؒ المتوفی ۱۹۳۸ء رقمطراز ہیں۔

''اگر ہم اچھے کاریگر، اچھے دوکاندار، اچھے اہل حرفہ اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اچھے شہری پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ انہیں اول پکا مسلمان بنائیں۔''

(قومی زندگی اور ملتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر ص ۱۱۰، طبع لاہور)

دنیا کے پانچ عجائبات

امام حافظ ثقۃ الدین ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ الشافعی المعروف بابن عساکرؒ المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے، دنیا کے عجائبات پانچ چیزیں ہیں۔

(۱) ذوالقرنین کا مَنارہ۔

(۲) اصحاب الرقیم جو روم میں بارہ یا تیرہ آدمی تھے۔

(۳) وہ شیشہ جو اندلس کے شہروں میں اس کے بڑے شہر کے دروازہ پر لٹکا ہوا ہے، جب کوئی آدمی ان کے شہروں سے سو یا ئی سو فرسخ کی مسافت پر غائب ہوتا اور اس کے اہل اس شیشے کے نیچے آ کر بیٹھتے اور اس شیشے میں دیکھتے تو وہ اپنے ساتھی کو سو فرسخ کی مسافت تک دیکھ لیتے۔

(۴) مسجد دمشق اور اس پر انفاق کا جو وصف بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اَلرُّخَامُ (سنگ مرمر) وَالْفُسَیْفِسَاءُ (بچے کاری یعنی رنگ برنگ کے چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف اشکال وصورتیں بنانا) ان دونوں کی جگہ کے بارہ میں معلوم نہیں اور کہا گیا ہے کہ رُخام سب معجون ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ رخامہ کو اگر آگ پر رکھا جائے تو پگھل جاتی ہے۔''

(تہذیب تاریخ دمشق الکبیر عربی ج اص ۱۹۹ وص ۲۰۰، طبع بیروت، لبنان)

روافض کا بغض

امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم اللواتی البربری الطنجی المعروف بابن بطوطہؒ المتوفی ۷۷۹ھ رقمطراز ہیں۔

''اس قبر کے برابر امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ کی قبر ہے، اس پر ایک بلند مقام ہے، جس پر وہ شمع دان رکھتے ہیں، جنہیں اہل مغرب الحسک اور المنائر کے نام سے پکارتے ہیں، جب وہاں کوئی رافضی زیارت کے لیے داخل ہوتا ہے تو وہ ہارون الرشید کی قبر پر اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتا ہے اور علی الرضا کی قبر پر سلام کرتا ہے۔''

(رحلۃ ابن بطوطہ عربی ص ۳۸۸، طبع بیروت)

طوفانِ نوح کی تاریخ

امام محمود بن عمر الزمخشریؒ المتوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں۔

''قتادہؒ سے روایت ہے کہ رجب کی دس تاریخ کے بعد کشتی نے انہیں اٹھایا اور وہ ایک سو پچاس دن پانی میں رہی، پھر ان کو لے کر جودی پہاڑ پر ایک ماہ ٹھہری رہی اور وہ پھر ان کے ساتھ عاشوراء والے دن اتری۔

اور مروی ہے کہ وہ بیت اللہ پر گزری اور اس کے گرد سات چکر کاٹے اور اللہ نے اسے غرق ہونے سے آزاد کر دیا۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ نوحؑ نے اترنے والے دن روزہ رکھا اور اپنے ساتھ والوں کو بھی حکم دیا تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔''

(الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل عربی ج ۲ ص ۳۹۸، طبع قاہرہ)

یورپی محققین کا طرزِ تصنیف

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ المتوفی ۱۳۷۳ھ نے فرمایا۔

''حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول ''اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد یہی

خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔''
(خطباتِ مدراس ص ۵۸ و ص ۵۹ طبع شیخوپورہ)

مسلمان اور داڑھی

حکیم مختار احمد الحسینیؒ رقمطراز ہیں۔

''اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ نے کہا، شاہ جی! (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کہ) کالج میں داڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے، فرمایا ''ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے، خالصہ کالج میں آسان ہے۔''
(فرموداتِ امیر شریعت حصہ اول ص ۶۳ و ص ۶۴، طبع لاہور)

حضرت امیر معاویہؓ کی اوّلیات

امام ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقیؒ المتوفٰی ۲۲۳ھ رقمطراز ہیں۔

''حضرت معاویہؓ پہلی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے خَلوق (زعفران سے بنی ہوئی ایک عمدہ اور قیمتی خوشبو) اور اگردانی کے ساتھ کعبہ کو خوشبودار کیا، اور انہوں نے بیت المال سے مسجد کی قندیلوں کے لیے زیتون کا تیل جاری کیا۔'' (اخبارِ مکہ وما جاء فیھا من الآثار عربی ج ا ص ۲۵۴، طبع مکۃ المکرّمۃ)

تیراندازی کے فوائد

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے رقمطراز ہیں۔

''آداب الحرب کے مؤلف نے سقراط کا ایک قول نقل کر کے لکھا ہے کہ تیراندازی سے جسم نرم ہوتا ہے، جوڑ کھلتے ہیں، بدن کا گوشت سخت ہوتا اور بڑھتا ہے، آنکھوں میں روشنی زیادہ ہوتی ہے، ہاتھ اور پاؤں سیدھے رہتے ہیں، لڑائی کا فن آتا ہے، آدمی دلیر ہوتا ہے۔'' (عکسی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ باب ہفدہم)
(ہندوستان کے عہدِ وسطٰی کا فوجی نظام ص ۴۴۰، طبع اعظم گڑھ، ہند)

صحبت کی نو اقسام

امام ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب ابن قیم الجوزیہؒ المتوفٰی ۷۵۱ھ رقمطراز ہیں۔

''ابوعثمان نیشاپوریؒ نے فرمایا۔

(۱) اللہ کے ساتھ صحبت حسنِ ادب اور ہیبت و مراقبہ کے دوام کے ساتھ ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی سنت کے اتباع اور ظاہری علم کے لزوم کے ساتھ ہے۔

(۳) اولیاء اللہ کے ساتھ احترام اور ادب کے ساتھ ہے۔

(۴) اہل کے ساتھ حسنِ خلق کے ساتھ ہے۔

(۵) بھائیوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے دوام کے ساتھ ہے، جب تک کہ وہ گناہ نہ ہو۔

(۶) اور جہال کے ساتھ ان کے لیے دعا کے ساتھ اور رحمت کے ساتھ ہے۔“

ان کے علاوہ دیگر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے۔

(۷) حافظین (کراماً کاتبین) کے ساتھ ان دونوں کے احترام واکرام اور ان کو وہ باتیں لکھوانے کے ساتھ جن پر وہ دونوں تیری تعریف کریں۔

(۸) نفس سے اس کی مخالفت کے ساتھ۔

(۹) اور شیطان سے عداوت کے ساتھ ہے۔

(مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین عربی ج۲ص ۴۸۵، طبع بیروت، لبنان)

نیک بختی اور بدبختی کی چار چار چیزیں

حافظ ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ المتوفٰی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اربع من السعادة۔

چار چیزیں سعادت مندی میں سے ہیں۔

(۱) المرأة الصالحة۔

نیک عورت۔

(۲) والمسكن الواسع۔

کھلا گھر۔

(۳) والجار الصالح۔

نیک ہمسایہ۔

(۴) والمرکب الھنی۔

واربع من الشقاء۔

اور خوش گوار سواری۔

اور چار چیزیں بدبختی میں سے ہیں۔

(۱) الجار السوء۔

برا ہمسایہ۔

(۲) والمرأۃ السوء۔

بری عورت۔

(۳) والمرکب السوء۔

بری سواری۔

(۴) والمسکن الضیق۔

اور تنگ گھر۔

(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان عربی ص ۳۰۲ و ص ۳۰۳، طبع قاھرہ، مصر)

''بہتر روزگار اور مستقبل کی تلاش میں غیر مسلم ممالک کا رخ کرنے والے مسلمانوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان سے پہلے کتنے مسلمان ان ملکوں میں گئے اور وہاں کی معاشرت میں جذب ہو کر اپنا مذہبی اور تہذیبی امتیاز کھو بیٹھے اور ان کی نسلوں کی مسلمانوں کی حیثیت سے پہچان ختم ہو کر رہ گئی ہے۔'' [مولانا زاہد الراشدی]

مولانا زاہد الراشدی
جانشین امام اہل السنۃؒ

مسلم سوسائٹی میں مسجد اور امام وخطیب کا کردار

اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور کی سیرت چیر کے زیر اہتمام ۱۸، ۱۹ جنوری ۲۰۲۲ء کو ائمہ وخطباء کے لیے دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا، جس کی مختلف نشستوں سے ممتاز ارباب علم ودانش، علماء کرام اور اساتذہ نے متنوع موضوعات پر خطاب کیا، افتتاحی نشست ۱۸، جنوری کو مین آڈیٹوریم بغداد الجدید میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر انجینئر پروفیسر ڈاکٹر اطہر محبوب صاحب کی صدارت میں ہوئی، جس کے مہمان خصوصی مولانا مفتی منیب الرحمٰن اور کلیدی مقرر مولانا زاہد الراشدی تھے، جبکہ ان کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا اور مولانا راشدی کے خطاب کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ!

عزت مآب وائس چانسلر صاحب، قابل صد احترام مہمان خصوصی اور معزز شرکاءِ محفل!

اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کے اس پروگرام میں شرکت میرے لیے اعزاز کی بات ہے اور اس سے اس عظیم ادارہ کے ساتھ پرانی نسبتیں بھی تازہ ہو رہی ہیں، اس کا پہلا دور جامعہ عباسیہ کے عنوان سے ہماری تاریخ کا حصہ ہے جس کی علمی ودینی خدمات ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں، بالخصوص حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام سامنے آتا ہے اور ختم نبوت کے تاریخی مقدمہ بہاولپور کے حوالہ سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ گھوٹویؒ کا تذکرہ نظر سے گزرتا ہے تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے درجات جنت میں بلند سے بلند تر فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

اس کے بعد اس عظیم تعلیمی مرکز کا وہ دور بھی ہمارے سامنے ہے، جب اسے دینی وعصری تعلیمات کے امتزاج کا مرکز بنایا گیا اور اس نے جامع عباسیہ سے جامعہ اسلامیہ کا سفر طے کیا، جس میں ملک بڑی بڑی علمی

شخصیات نے اسے اپنی جولانگاہ بنایا اور میرے جیسے کارکنوں کو یہ امید لگ گئی کہ دینی وعصری تعلیم کے درمیان جو تفریق برطانوی استعمار کے دور میں پیدا کر دی گئی تھی اسے ختم کر کے اس سے پہلے دور کی طرح دینی وعصری علوم کی یکساں تعلیم کا ماحول دوبارہ دیکھنے کو مل جائے گا، مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا اور ہم آج اسی تعلیمی ادارہ میں اس سے مختلف ماحول میں کھڑے ہیں۔

میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور اس کے حوالہ سے محترم وائس چانسلر صاحب کی موجودگی میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ میں آج بھی خود کو ذہنی طور پر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کے اسی دور میں کھڑا دیکھتا ہوں جو جامعہ عباسیہ اور جامعہ اسلامیہ کے ملاپ کا دور تھا اور دینی وعصری تعلیمات کے امتزاج کا دور تھا کیونکہ ہماری قومی تعلیم کی اصل ضرورت تعلیم کا وہی دور ہے، ہمیں آج پھر اس طرف واپس لوٹنا ہوگا ورنہ ہم اس تفریق کو ختم نہیں کر پائیں گے جس نے ہمیں تقسیم کر رکھا ہے، میں اپنے موضوع کی طرف آنے سے قبل محترم وائس چانسلر صاحب سے یہ درخواست کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دور کی طرف واپسی کا راستہ نکالیے، ہم اس میں آپ کے ساتھ ہیں اور اس کو موجودہ حالات میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی تعلیمی ضروریات کا اصل حل سمجھتے ہیں۔

پہلے تو مسجد کی بات کر لیں کہ ہمارے معاشرے میں مسجد کی حیثیت کیا ہے؟ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ مسجد مسلم معاشرہ میں دل کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ مدرسہ کو دماغ کا مقام حاصل ہے، مسجد مسلم سوسائٹی کا اعصابی مرکز ہے اور مسلم آبادی کا زیرو پوائنٹ ہے کہ اللہ تعالٰی نے زمین میں انسان کی آبادی کا آغاز بیت اللہ کے قیام سے کیا تھا ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ کے جبر کے ماحول سے نکل کر آزاد ماحول میں قدم رکھا تو قبا کے چند روزہ قیام میں بھی پہلے مسجد بنائی اور پھر مدینہ منورہ میں قیام کیا تو وہاں بھی اپنے گھروں سے پہلے مسجد کی تعمیر کا اہتمام فرمایا، اس لیے مسجد مسلم آبادی میں زیرو پوائنٹ ہے اور اعصابی مرکز ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز مسجد ہی ہے اور اسی سے مسلم آبادی کا آغاز ہوتا ہے۔

مسجد کے اعمال کا دائرہ بہت وسیع ہے جن میں سے عبادت، وعظ ونصیحت اور تعلیم وتدریس کا ماحول تو آج بھی قائم ہے مگر مسجد کے بہت سے اعمال آج متروک ہو چکے ہیں جنہیں دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت ہے، ان میں سے دو کی طرف آج کی محفل میں توجہ دلانا چاہوں گا۔

مسجد کا ایک کردار یہ رہا ہے کہ اس سے متعلقہ ماحول میں اگر کوئی جھگڑا یا تنازعہ پیدا ہوا تو مسجد نے مصالحت کنندہ کا کا کردار ادا کیا، آج کے دور میں اسے کونسلنگ کہا جاتا ہے جو ہماری بہت بڑی معاشرتی ضرورت ہے کہ عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار عدل وانصاف کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئی ہے۔

میرے خیال میں مسجد کا امام وخطیب اور انتظامی کمیٹی اگر اپنے ماحول میں کونسلنگ کا یہ کردار سنبھال لیں تو ہمارے بے شمار مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے، عوام کی ایک بڑی تعداد عدالتوں کے اخراجات اور تنازعات میں وسعت کے چکر سے بچ جائے گی اور یہ قوم کے ساتھ بہت بڑی نیکی شمار ہوگی۔

جبکہ دوسری بات جس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں وہ رفاہی اور سماجی خدمت کا میدان ہے، قرون اولیٰ میں مسجد کا یہ کردار بھی تھا کہ اپنے ماحول میں ضرورت مندوں، معذوروں اور محتاجوں کی ضروریات کا مسجد میں خود بخود اہتمام ہو جایا کرتا تھا، یہ بھی مسجد کے امام اور کمیٹی کی توجہ کا کام ہے، اگر وہ اس میں سنجیدہ ہو جائیں تو ایک ویلفیئر اسٹیٹ کا ماحول ریاستی سطح پر نہ سہی مگر پرائیویٹ سطح پر کسی نہ کسی حد تک ضرور بنایا جا سکتا ہے۔

جہاں تک فقہی اختلافات اور ائمہ مساجد کے رویہ کا معاملہ ہے تو اصل بات یہ ہے کہ ہمیں فقہی اختلافات کے دائروں اور سطحوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ زیادہ تر اختلافات فقہی دائرہ کے ہوتے ہیں، جن کے بارے میں یہ بات مسلمہ ہے کہ فقہی اختلاف اسلام اور کفر یا حق وباطل کے دائرہ کا نہیں ہوتا بلکہ اس کا دائرہ خطا اور صواب کا ہوتا ہے، فقہی مسائل میں اگر ہم ایک امام کے قول پر عمل کرتے ہیں تو ''صواب یحتمل الخطا'' کہہ کر کرتے ہیں اور کسی امام کے قول پر عمل نہیں کرتے تو ''خطاء یحتمل الصواب'' کہہ کر کرتے ہیں، فقہی اختلاف حق وباطل کا نہیں بلکہ صواب وخطاء کا اختلاف ہوتا ہے اگر ہم اس اصول کو سمجھ لیں اور اس کی پاسداری کا اہتمام کر لیں تو بہت سے جھگڑے پیدا ہی نہ ہوں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ آج کے دور میں ہماری نوجوان نسل میں دینی تعلیمات سے بے خبری اور مغربی میڈیا کی فکری یلغار کی وجہ سے جو شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، ان کی طرف سنجیدہ توجہ دینا امام وخطیب کی بنیادی ذمہ داری ہے، اس لیے اپنے ماحول کے نوجوانوں کو دین کی بنیادی تعلیمات سے باخبر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنوں میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو محبت و پیار اور دلیل اور استدلال کے ساتھ صاف کرنے کی ضرورت ہے اور مساجد کے ائمہ وخطباء کو اس کی تیاری اور اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر سرانجام دینے کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

[خطاب] مولانا محمد فیاض خان سواتی
[ضبط وترتیب] محمد حذیفہ خان سواتی

باہم بغض اور نفرت کے چار اسباب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُوْلٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًاo

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

محترم حاضرین وبرادران اسلام وخواتین محترمات!

تلاوت کردہ آیت کا ترجمہ ومفہوم

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم پندرہویں پارہ میں سے ''سورۃ بنی اسرائیل'' کی آیت نمبر ۳۶ تلاوت کی ہے، جس کی روشنی میں آج میں معاشرے میں جو دن بدن آپس میں بغض، نفرت اور عداوت جیسی چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، ان کے اسباب کیا ہیں، یہ کیوں پیدا ہو رہی ہیں اور کیا کرنے سے یہ ختم ہو سکتی ہیں، اس معاشرتی پہلو پر کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے اِس آیت کا ترجمہ اور مفہوم عرض کروں گا۔ یہ آیات مسلسل پیچھے سے چلی آ رہی ہیں، جن میں ایک اسلامی معاشرے کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی اہم باتوں کو بیان کیا ہے کہ ایک اسلامی سوسائٹی اور تمدن کو یہ یہ باتیں کرنی چاہئیں اور یہ یہ نہیں کرنی چاہئیں، ان میں سے ایک آیت کو میں نے منتخب کیا ہے، ویسے

اس سے پہلے تقریباً تیرہ باتیں بیان ہو چکی ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلسل ذکر کی ہیں۔

اِس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ تم ان چیزوں کے پیچھے مت پڑو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ کیوں؟ وجہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمادی اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ بے شک آنکھ، کان اور دل كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ان تمام سے سوال کیا جائے گا، پوچھا جائے گا، باز پرس ہوگی۔ اس وجہ سے کہ اِن تین چیزوں کا استعمال انسان کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آنکھ، کان اور دل کا استعمال۔ اِن میں دو چیزیں ظاہری ہیں جو انسان کو سامنے نظر آتی ہیں اور ایک چیز باطنی ہے، دل اندر ہے جو نظر نہیں آتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو ایک محدود اور مختصر زندگی دی ہے، ساٹھ ستر سال، کسی کی زیادہ ہوگی کسی کی کم ہوگی، بہر حال انسان محدود اور فانی ہے، انسان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ، کان اور دل ختم ہو جائیں گے، انسان کو ایک محدود وقت ملا ہوا ہے، اس وقت میں انسان کو محدود اعمال بھی انجام دینے ہیں، مطلب یہ کہ جو اللہ نے فرض قرار دیے ہیں وہ محدود ہیں، لامحدود نہیں ہیں، ارکانِ اسلام نماز دن میں پانچ مرتبہ، روزہ سال میں ایک مہینہ، زکوٰۃ سال میں صاحب نصاب آدمی کیلئے چالیسواں حصہ، حج زندگی میں صاحب استطاعت کیلئے ایک مرتبہ، یہ ارکان اسلام ہیں، جو کہ محدود ہیں اور وقت بھی ان کا محدود ہے، پھر اس محدود وقت میں جو محدود کام انجام دے گا اس کا نتیجہ بھی محدود ہوگا، وہ اللہ کی بارگاہ میں مقرر اور محدود ہے کہ جس نے اللہ کا حکم مانا، اس کے طریقے کے مطابق کام انجام دیے تو اللہ نے اس کیلئے محدود انعام رکھا ہے، یا تو اس کو جنت میں نیک کام کی وجہ سے پہنچانے کا یا برے کام کی وجہ سے جہنم میں ڈالے گا، غرضیکہ انسان کی یہ زندگی محدود ہے، وقت بھی محدود ہے، طاقت بھی محدود ہے، ایک آدمی ایک ہی آدمی کی طاقت کے ساتھ کام کر سکتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ۔۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق، اس سے زیادہ نہیں۔ ایک آدمی چاہے کہ میں دس آمیوں کا کھانا کھا جاؤں یا دس آدمیوں کا کام کروں تو نہیں کر سکتا، اس وجہ سے اپنا کام ہی جس نے پورا کر لیا وہی کامیاب ہو جائے گا، اس وجہ سے اس محدود زندگی میں انسان کو سوچ سمجھ اور جانچ پرکھ کر استعمال کرنا چاہیے، ویسے تو انسان کو اپنے جسم کے تمام اعضا کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے، لیکن یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین مثالیں دی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی اچھا یا برا کام کرے گا، اس کا مدار تین چیزوں پر ہوتا ہے، ایک انسان کی آنکھ کہ اس کے ساتھ دیکھتا ہے، اس سے اچھی بات بھی دیکھتا ہے بری بھی، اچھی بات بھی

پڑھتا ہے اور بری بھی، اچھی بات کا مشاہدہ بھی کرتا ہے اور بری بات کا بھی، دوسری چیز کان ہے، اس کے ساتھ بھی انسان اچھی بات بھی سنتا ہے بری بات بھی، ایک طرف قرآن بھی سنتا ہے اور دوسری طرف گانے بھی سنتا ہے۔ یہ دو چیزیں انسان کی ظاہری ہیں، ان کا اعمال پر بڑا دار و مدار ہے، کہتے ہیں کہ جب آدمی نے کوئی مکان بنانا ہو یا دوکان بنانی ہو تو پہلے اُس کو دیکھتا ہے، جا کر آنکھ کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے کہ جگہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں، پھر آس پاس سے پوچھتا بھی ہے، آیا اس جگہ پر اچھے لوگ ہیں یا نہیں، میرا کاروبار یہاں محفوظ بھی رہے گا یا نہیں، سب چیزیں دیکھتا ہے، دنیا میں ہر کام میں ہم ان دو چیزوں کو استعمال کرتے ہیں، شادی کرنی ہے تو پہلے لوگوں سے سنیں گے کہ وہ کیسے لوگ ہیں، دیکھیں گے، تجارت کرنی ہے تو دیکھیں گے اور سنیں گے، اور بھی انسانی معاشرت کے جتنے کام ہیں ان کا مدار دیکھنے اور سننے پر ہوتا ہے کہ دیکھا اور سنا جائے، جب یہ دو باتیں ہو جاتی ہیں کہ انسان کسی چیز کو دیکھ لیتا ہے پھر اس کو سن لیتا ہے، تو اب اس دیکھی اور سنی چیز پر فیصلہ کرنا یہ دل و دماغ کا کام ہوتا ہے، دماغ اس کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ ایسا ہے، یہ اچھے پہلو ہیں، یہ برے پہلو ہیں، بالآخر نتیجۃً دل فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے اور یہ غلط ہے، یہ کرلو اور یہ نہ کرو۔ انسان کر گزرتا ہے۔

دل کو تو اعضائے رئیسہ میں شمار کیا گیا ہے، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ میں ارشاد فرمایا، جب آخرت میں باز پرس ہوگی، اللہ کے ہاں سزا ہوگی تو اس وقت سب سے پہلے سزا دل کو ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ ھمزہ میں فرمایا نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ اللہ کی بڑھکتی ہوئی آگ دلوں پر چڑھ جائے گی، سب سے پہلے دلوں پر اثر ہوگا، کیونکہ دیکھی اور سنی ہوئی چیز کا سب سے پہلے اس نے فیصلہ کیا، کفر کو سُنا، دیکھا، اس نے فیصلہ کر کے اس کی طرف لگا دیا، اسلام کو دیکھ سن کر اس نے فیصلہ کر کے اس کی طرف لگا دیا، نیکی ہے تو بھی اسی نے فیصلہ کیا، برائی ہے تو اسی نے فیصلہ کیا، نتیجۃً اللہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جہنم کی آگ دلوں پر اثر انداز ہوگی، کیونکہ یہ ذریعہ بنا ہے فیصلہ کرنے کا، انسان کو جو اختیار دیا گیا تھا اس نے یہ فیصلہ کیا، یہ تین چیزیں اس لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اسی سے وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ بے شک کان، آنکھ اور دل، ان تمام سے باز پرس ہوگی۔

اس وجہ سے اس محدود زندگی اور محدود وقت میں محدود طاقت کے ساتھ جو محدود افعال انجام دینے ہیں، ان کو نہایت سوچ سمجھ کے ساتھ تمام مرد و خواتین کو انجام دینا چاہئیں۔

معاشرہ کی بربادی کے اسباب

ہمارے معاشرے میں یہ برائی بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے کہ ہرسنی سنائی بات آگے چلا دی جاتی ہے، اس کی کبھی کسی نے تصدیق نہیں کی کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، اخبارات اور ٹی وی چینلز پر خبریں اسی طرح چل رہی ہیں، ہم ان پر اعتماد کرتے ہوئے اسی طرح آگے چلاتے چلے جاتے ہیں، کوئی تصدیق نہیں کرتا کہ آیا ایسا ہے بھی یا نہیں، نبی اکرمؐ کا فرمان مبارک صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات آگے چلا دے۔ یہ بات ہے جس نے معاشرے میں آج نفرت کا بیج بو دیا ہے، کوئی آدمی تحقیق نہیں کرتا۔ بس اپنے دشمن کو زیر کرنا مقصود ہے، جس کے ساتھ نفرت ہے اس کو ہَرانا ہے، اس لیے خبر چلا کر اپنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ (آل عمران۔۶۱) جھوٹ کہنے والوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے، معاشرہ کیسے ترقی کرے گا، ہم پر رحمتیں کیسے نازل ہوں گی، ہم نے نہ اللہ کی بات کو مانا نہ اس کے نبی کی بات کو، لہٰذا صحیح بات کو سنیں اور صحیح بات پر عمل کریں۔

ایک بات یہاں اور کہہ دوں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اُن باتوں کے پیچھے مت پڑو جن کا تمہیں علم نہیں، لیکن ہمارے ہاں یہ ہے کہ جن کو جس فن کا پتہ نہیں ہے، اس فن میں بھی اپنی رائے دے رہے ہیں، یہ خرابی کی بہت بڑی وجہ ہے، ایک آدمی انجینئر نہیں ہے، وہ عمارت کے بارے میں مشورے دے رہا ہے کہ اس طرح بناؤ اور اس طرح کرو، ایک آدمی ڈاکٹر نہیں ہے وہ علاج کے بارے میں دوائیاں تجویز کر رہا ہے، ایک آدمی عالم نہیں ہے وہ فتوے بازی کر رہا ہے، یہ بہت نفرت انگیز کام ہے، جب لوگ اس طرح کرتے ہیں تو اس شعبے کے لوگ جن کے حق پر ڈاکا ڈالا جاتا ہے ان کی بدنامی ہوتی ہے تو اس سے آپس میں نفرت اور بغض پیدا ہوتے ہیں، اس وجہ سے اپنے کان کو سننے کیلئے صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہئے، اس میں اچھی باتیں ہی جانی چاہئیں، بری باتیں نہیں جانی چاہئیں۔

دوسرے نمبر پر آنکھ ہے، یہ بھی صحیح جگہ پر استعمال ہونی چاہئے، اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ نظر شیطان کے تیروں میں سے پہلا تیر ہے۔ شیطان جب وار کرتا ہے تو پہلا وار آنکھ کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کسی بری چیز پر نظر ڈالتا ہے، یہ سب سے پہلا کام ہوتا ہے، اگلے اسٹیپ اس کے بعد آتے ہیں کہ اس کی طرف چل کر گیا تو یہ پاؤں کی برائی ہوگئی، اس کو جا کر پکڑے گا تو ہاتھ کی برائی ہوگئی، اس کے ساتھ برائی کرے گا تو جسم کی برائی ہو جائے

گی، شروع کہاں سے ہوئی تھی آنکھ سے، اس وجہ سے جناب رسول اللہؐ نے وہاں سے بند باندھنے کی کوشش کی ہے، مردوں سے بھی یہ کہا کہ اپنی نظریں پست رکھو اور خواتین سے بھی یہی کہا، آج کل ہمارے معاشرے میں یہ بات رائج ہے کہ پردہ کرنا خواتین کا کام ہے، حالانکہ وہ بھی نہیں کرتی ہیں، یہ تو ان کو پتہ ہی نہیں کہ نظر کا پردہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مردوں سے کہا ہے کہ تم اپنی نظروں کو پست رکھو، یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ (النور۔۳۰) اپنی نظروں کو پست رکھو۔ خواتین سے بھی کہا یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔ وہ بھی اپنی نظریں پست رکھیں۔ خواتین باہر جائیں گی، ان کی ضروریات ہوتی ہیں، کوئی ڈاکٹر کے پاس جائے گی، کوئی اپنی ضرورت کیلئے نکلے گی، کوئی سفر کیلئے جائے گی، کوئی حج عمرے کیلئے جائے گی، اپنے رشتے داروں میں بھی آنا جانا تو رہے گا، اگر ہم اپنی نظر کو گزرتے وقت پست کر لیں تو ہم بھی محفوظ وہ بھی محفوظ، لیکن اگر ہم آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے تو شیطان اپنا وار کرے گا، پہلے اس کی طرف مائل ہوگا، پھر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا اور پھر برائی کی طرف قدم بڑھائے گا، اس وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کان اور آنکھ اور دل مسئول عنہ ہیں۔

تیسری چیز دل ہے، یہ سامنے نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ ہوتا ہے، کسی کے دل میں کیا ہے کچھ پتہ نہیں چلتا، کہتے ہیں دل دریا سے بھی گہرے ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے، اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی آدمی اُن تک نہیں پہنچ سکتا، اس میں اسلام ہے یا کفر، توحید ہے یا سنت، اچھائی ہے یا برائی، بظاہر انسان بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آ رہا ہوتا ہے لیکن دل میں بغض ہے، لیکن کسی کو کوئی پتہ نہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کان، آنکھ اور دل ان تمام سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

محبت اور نفرت کے حوالے سے معیار

دل ہر چیز کا مرکز ہے۔ دیکھی اور سنی ہوئی ہر چیز کا فیصلہ دل کرے گا۔ اس وجہ سے انسان کیلئے دل بنیادی چیز ہے، اس کو صحیح ہونا چاہئے، اس میں فیصلے کی قوت صحیح ہونی چاہئے، اخلاق بھی اسی سے سرزد ہوتے ہیں، عقیدہ اور فکر بھی اسی سے انجام پاتے ہیں، اعمال کا فیصلہ بھی اسی سے ہوتا ہے اور جو بھی کام انسان نے کرنا ہے وہ دل سے ہی اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ محبت ہے تو فیصلہ دل کرتا ہے، اگر کسی کے ساتھ بغض ہے تو اس کا فیصلہ بھی دل کرتا ہے، اسی وجہ سے جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت بھی رکھی ہے اور نفرت بھی رکھی ہے، اس کا معیار بھی آپؐ نے ارشاد فرمایا، اگر ہم اس معیار کو اپنا لیں تو بہت سی خرابیاں ختم ہو جاتی ہیں، بہت مختصر اور

جامع جملہ ارشاد فرمایا اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ اگر کسی کے ساتھ محبت ہے تو وہ اللہ کی رضا کیلئے ہونی چاہئے اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے اور اگر کسی کے ساتھ بغض اور نفرت ہے تو وہ بھی اللہ کی رضا کیلئے ہونی چاہئے، ذاتیات اور دیگر مقاصد نہیں ہونے چاہئیں، یہ معیار ہے، اگر اس پر پورا اترے گا تو نہ وہ محبت میں بھی حدود سے تجاوز نہیں کرے گا اور نفرت میں بھی حدود سے تجاوز نہیں کرے گا، بلکہ ٹھیک ٹھیک اعتدال میں رہے گا۔

باہم بغض اور نفرت کے چار اسباب

چنانچہ آج میں آپ کے سامنے معاشرے کے لوگوں میں باہم پیدا ہونے والی نفرت اور بغض کے بارے میں اسلام کے ایک بہت بڑے فلاسفر کے حوالے سے چار باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے قرآن وسنت اور اپنے تجربات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، یہ جو لوگوں میں آپس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے، حافظ شمس الدین ابوعبداللہ ابن القیم الجوزیہؒ حنبلی مسلک کے ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ، جن کی وفات سن ۷۵۱ھ میں ہوئی، ان کی کتاب ہے ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' عربی میں ہے، مصر سے طبع ہوئی ہے، اس میں انہوں نے بڑے مختصر انداز میں اس کی وجوہات ارشاد فرمائی ہیں۔

فرماتے ہیں اَرْبَعَۃٌ تَجْلِبُ الْبَغْضَاءَ وَالْمَقْتَ چار چیزیں ایسی ہیں جو بغض اور ناراضگی کو کھینچ کر لاتی ہیں۔ انہوں نے بڑے جامع انداز سے وہ چار چیزیں ارشاد فرمائی ہیں، ہم سب کو ان میں غور کرنا چاہئے کہ کس میں وہ پائی جاتی ہیں، اگر پائی جاتی ہیں تو اس کا دل اور دماغ بغض اور نفرت کا مرکز ہے اور اگر نہیں پائی جاتیں تو اس کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ حضور نبی اکرمؐ نے بھی یہی تعلیم دی ہے لَا تَبَاغَضُوْا آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو وَلَا تَنَافَرُوْا اور ایک دوسرے سے نفرت نہ رکھو۔

[۱] حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں ان چار چیزوں میں سے پہلی چیز ہے اَلْکِبْرُ۔ تکبر، اَنا، مَیں۔ جس آدمی میں تکبر موجود ہوگا وہ آدمی نفرت اور بغض کا مجموعہ ہوگا۔ تکبر مختلف چیزوں سے ہوتا ہے۔ علم کا تکبر ہوتا ہے کہ میں بڑا عالم ہوں۔ مال کا تکبر ہوتا ہے کہ میں بڑا سیٹھ بندہ ہوں۔ حُسن کا تکبر ہوتا ہے کہ میں بہت حسین وجمیل ہوں۔ عہدے کا تکبر ہوتا ہے کہ میں بڑا عہدے دار ہیں۔ اسی طرح معاشرے میں جتنی بھی چیزیں چل رہی ہیں تکبر سب میں موجود ہے، کسی کو کپڑوں پر تکبر ہوتا ہے، کسی کو اپنے رہن سہن اور گھر پر تکبر ہوتا ہے، کسی کو اپنی تجارت پر تکبر ہوتا۔ مختصراً فرمایا کہ اَلْکِبْرُ یعنی جس دل میں تکبر ہے گویا کہ وہ نفرت اور بغض کا مرکز ہے، بظاہر چاہے کتنے ہی اخلاق سے پیش

آئے، آپ کو چائے پلائے، بوتلیں پلائے، لیکن اندر سے وہ ایسا ہے۔ اس لیے آدمی کو تکبر ختم کرنا چاہئے، عاجزی اختیار کرنی چاہئے، جناب رسول اللہؐ نے فرمایا مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ جو آدمی اللہ کیلئے تواضع اور عاجزی اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند کرے گا۔ دنیا میں بھی عزت دے گا اور اس کے ہاں بھی عزت ہوگی۔ اس کا دوسرا پہلو جناب رسول اللہؐ نے فرمایا وَمَنْ تَكَبَّرَ كَسَرَهُ اللّٰهُ جو تکبر کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو توڑ دے گا، ناکام کر دے گا۔ دنیا کی زندگی میں بھی ذلت ہوگی، ہر آدمی کہے گا کہ یہ بڑا متکبر آدمی ہے اور اللہ کے ہاں بھی اس کو سزا ملے گی۔ تکبر کی تعریف جناب رسول اللہؐ نے یہ فرمائی ہے مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَ غَمَطَ النَّاس جس آدمی نے حق کا انکار کیا اور لوگوں کو حقیر سمجھا وہ متکبر آدمی ہے۔ حق بات سامنے آگئی ہے لیکن اپنی انا کا مسئلہ بنالے گا۔ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کو قبول نہیں کرتا تو یہ متکبر آدمی ہے۔ اپنے معاشرے، سوسائٹی، شہر اور محلے میں جتنے اس کے متعلقین ہیں ان میں کسی کو حقیر سمجھتا ہے، لوگوں کو کسی بھی معاملہ میں حقیر جانتا ہے اور اپنے سے کم تر سمجھتا ہے تو یہ متکبر آدمی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ تکبر بغض اور نفرت کو کھینچ کر لاتا ہے۔

[۲] دوسری بات وہ ارشاد فرماتے ہیں وَالْحَسَدُ اور حسد۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے، ہر چیز اس نے تقسیم کی ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ۔ (الزخرف۔۳۲) لوگوں کے درمیان معیشت ہم نے تقسیم کی ہے۔ کسی کو زیادہ دیا ہے کسی کو کم دیا ہے۔ ایسا مال میں بھی ہوتا ہے، حسن میں بھی ہوتا ہے، جائیداد میں بھی ہوتا ہے اور ہر چیز میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ دوسرے کو دیکھ کر یہ حسد کرتا ہے کہ اس کو مال مل گیا ہے تو مجھے کیوں نہیں ملا، لہٰذا اس کے پاس بھی نہ رہے، یہ حسد ہے۔ حالانکہ اگر اس طرح کہے کہ اللہ نے اس کو دیا ہے، مجھے بھی دے تو معاملہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ صرف سوچ کا زاویہ بدلنے کی بات ہے۔ اپنے اور اس کیلئے دعا کرے، لیکن وہ حسد کرتا ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا اِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنٰتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ آگ میں خشک لکڑی ڈالیں تو جل جائے گی، اسی طرح حاسد آدمی اپنی نیکیوں کو جلاتا رہتا ہے، نیکی کی، ختم کی، پھر نیکی کی، پھر ختم کی، حسد کی وجہ سے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا، یہ دل کا معاملہ ہے۔

[۳] تیسری بات حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں وَالْكِذْبُ اور جھوٹ۔ یہ بھی بغض اور نفرت کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جھوٹوں پر لعنت کی ہے کہ جھوٹ مت بولو بلکہ وَكُوْنُوْا مَعَ

الصَّادِقِیْنَ ۔ (التوبۃ ۔۱۱۹) کہا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اور سچائی کو اختیار کرو۔ جھوٹ معاشرے میں فرداً و اجتماعاً رائج ہے۔ مسلمانوں کی سوسائٹی ایسی ہو چکی ہے کہ آدمی جھوٹ کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا، تجارت ہو، سیاست ہو، معاشرت ہو، ہر پہلو میں کوئی آدمی سچ بولنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ سچائی جب تک ہم اختیار نہیں کریں گے اس وقت تک آپس میں نفرت ختم نہیں ہوگی۔ ایک آدمی جا کر تاجر سے کوئی چیز خرید رہا ہے، وہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، پیسے پورے لئے چیز غلط دی، اس سے نفرت پیدا ہوگی، ہمارے معاشرے میں غور نہیں کیا گیا کہ نفرت کے اسباب ہر آدمی خود پیدا کر رہا ہے۔ سچائی اختیار نہیں کرتا، بلکہ جھوٹ اختیار کرتا ہے، اسی وجہ سے آپس میں بغض اور نفرت پیدا ہوتی ہے اسے ختم کرنا چاہئے۔ سچے لوگوں کے بارے میں جناب رسول اللہؐ نے فرمایا اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ یہ تاجر لوگ بشرطیکہ سچے اور امانت دار ہوں آخرت میں ان کا ٹھکانہ انبیاء صدیقین اور شھداء کے ساتھ ہوگا، لیکن شرائط ہیں۔ جناب رسول اللہؐ نے یہ شرطیں لگائی ہوئی ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں بڑا آدمی بھی جھوٹ بولتا ہے چھوٹا بھی، جہاں جس کا داؤ لگتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ سچائی کو اختیار کرنے کیلئے ہم تیار نہیں ہیں۔

[۴] حافظ ابن قیمؒ نے چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی وَالنَّمِیْمَۃُ اور چغلی۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ نَمَّامٌ اَیْ قَتَّاتٌ جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوگا۔ چغلی کرنا حرام کام ہے، اگر کوئی آدمی اس کو جائز سمجھتے ہوئے کسی کی چغلی کرے گا یاد رکھیں وہ جنت میں داخلے کا مستحق نہیں ہے۔ چغل خوری ہمارے معاشرے میں بغض اور نفرت کو پیدا کرنے کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ ایک آدمی کسی کے سامنے بہت اچھا بنتا ہے لیکن وہی دوسری جگہ جا کر اس کے بارے میں چغل خوری کر رہا ہوتا ہے، سارے معاشرے میں یہی چل رہا ہے۔

یہ چار چیزیں ایسی ہیں، تکبر، حسد، جھوٹ اور چغل خوری، حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں یہ آپس میں بغض پیدا کرتی ہیں اور باہم نفرت کو کھینچ کر لاتی ہے۔ جَـلَـبَ کا معنی ہوتا ہے کھینچ کر لانا۔ جب تک ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے ہمارے معاشرے میں بہتری نہیں آئے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو یہ صفات اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

[] ایک سوال اور اس کا جواب

[س] فضل الرحمٰن صاحب پوچھ رہے ہیں کہ سوتے ہوئے کسی بچے کی طرف کمر کر کے سونا چاہئے یا نہیں؟

بعض بڑے اس سے منع کرتے ہیں۔

[ج] بھئی! یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، یہ ویسے ہی معاشرے میں چلا ہوا ہے، سونے میں آدمی سیدھا بھی سوئے گا، دائیں بھی، بائیں بھی، شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے، یہ من گھڑت بات ہے۔

دعائیہ کلمات

حافظ محمد اکمل صاحب کہہ رہے ہیں میرے ماموں جان شہید اللہ گزشتہ اتوار کو رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں، بھئی! یہ ہمارے ہمسائے نوجوان تھے، کافی دیر سے بیمار تھے، نیک و صالح باشرع تھے، پانچ بچیاں ہیں ان کی چھوٹی چھوٹی، گزشتہ جمعہ ان کی صحت کی دعا بھی کی گئی اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی غلطیاں کوتاہیاں معاف فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

رانا قیوم صاحب کہہ رہے ہیں میرے سسر صاحب پچھلے جمعے کو وفات پا گئے ہیں، یہاں جامع مسجد نور میں جمعہ کے نمازی تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بھی بخشش و مغفرت فرمائے۔

عدنان اسلم صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری شادی میں رکاوٹ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آسانی پیدا فرمائے۔

ذوالفقار صاحب کہہ رہے ہیں کہ اللہ پاک میری بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔ ان کی بھی اور تمام مسلمانوں کی بچیوں کے اللہ تبارک وتعالیٰ نصیب اچھے کرے۔

یہ صاحب کہہ رہے ہیں افتخار احمد کے بھائیوں کے دل میں اللہ ان کیلئے محبت اور احساس پیدا کرے اور افتخار احمد کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے اور اہلیہ کو صحت دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے جائز مقاصد کو پورا فرمائے۔

رفاقت صاحب کی صحت کیلئے دعا فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

حاجی مطیع الرحمٰن صاحب ۱۲ رمضان کو وفات پا گئے تھے ان کیلئے دعا فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بخشش و مغفر فرمائے۔

حافظ اشتیاق صاحب کہہ رہے ہیں والدین کی صحت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بھی جائز مرادوں کو پورا فرمائے۔

یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ میرے بھائی شاہد بھٹی کی ٹانگ جلدی تکلیف میں ہے، ٹیسٹ بھی ٹھیک نہیں آئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بھی صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

محمود صاحب کچھ دن سے بیمار ہیں، دعا کی درخواست کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

محمد اقبال صاحب کہہ رہے ہیں شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

ہمارے ملک کے ایک بڑے قاری محمد یعقوب صاحب بھی اسی ہفتہ میں راولپنڈی میں وفات پا گئے ہیں، انہوں نے ساٹھ سال دین کی خدمت کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

رات کو ہمارے ایک عزیز ہیں مانسہرہ میں، انہوں نے فون کیا ہے کہ ایک بچے کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے ہمارے عزیزوں میں، ہسپتال میں ہے، سیریس حالت ہے، سب حضرات دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صحت وعافیت نصیب فرمائے۔

یہ صاحب کہہ رہے ہیں میں بہت پریشان ہوں، مجھ پر ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی کہ دوسری کھڑی ہو جاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے بھی اور تمام حضرات کے مصائب کو ختم فرمائے۔

میاں ابراہیم صاحب کے بھائی نذیر احمد صاحب ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بھی صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

ان کے علاوہ بھی جتنے مسلمان مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے جس جس بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے، جو وفات پا چکے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی بخشش و مغفرت فرمائے، جو پریشان حال ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے۔ اس وقت سب لوگ پریشان ہیں، مہنگائی کی وجہ سے خودکشیاں ہو رہی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک کے حال پر رحم فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ نصیب فرمائے، اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

(تاریخ خطبہ جمعۃ المبارک: ۷، دسمبر ۲۰۱۹ء)

[مراسلات] مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
[مرتب] مولانا محمد فیاض خان سواتی

مراسلاتِ مفسرِ قرآنؒ

(باب پنجم)

دیگر مسالک کے اہل علم سے مراسلت

[قسط۔۳۸]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہؒ سے مراسلت

''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہؒ گوجرانوالہ میں اہل حدیث مسلک کے مشہور عالم دین تھے، جامعہ محمدیہ کے مہتمم وخطیب اور جمعیۃ اہل حدیث پاکستان کے امیر تھے، ان کے جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں مشہور حنفی عالم باعمل حضرت مولانا محمد جمعہ خانؒ ربع صدی سے زیادہ عرصہ علوم وفنون کے کامیاب مدرس رہے، ایک موقع پرانہوں نے وہاں سے خدمات انجام دینے سے معذوری کا اظہار فرماتے ہوئے استعفیٰ دے دیا، تو حضرت والد ماجدؒ نے انہیں اپنے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریس کے لیے بلالیا، بلکہ وہ ہمارے ہاں اپنا سامان کتب وغیرہ لے کر شفٹ بھی ہو گئے تھے، تو مولانا محمد عبداللہؒ نے مندرجہ ذیل خط حضرت والد ماجدؒ کی طرف لکھا، تو آپ نے حضرت مولانا محمد جمعہ خانؒ کو دوبارہ وہاں بھیج دیا، جو تادم زیست وہاں خدمات انجام دیتے رہے، انہوں نے اپنا مدرسہ بھی جامعہ فرقانیہ کے نام سے کنگنی والا گوجرانوالہ میں قائم فرمایا، ان کے دو صاحبزادے اور خاندان کی متعدد خواتین جامعہ نصرۃ العلوم کے فضلاء وفاضلات میں سے ہیں، ان کا آبائی علاقہ آلائی ضلع بٹگرام ہے، بالآخر ۱۹۹۵ء میں انہوں نے وفات پائی۔'' (فیاض)

مکتوب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہؒ بنام مفسر قرآنؒ

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب صوفی عبدالحمید صاحب، سرپرست مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد۔ ہمارے جامعہ محمدیہ کے استاذ مولانا جمعہ خان صاحب نے جامعہ سے منتقلی کے بارہ جو گفتگو کی ہے، اس کے متعلق ہم معذرت خواہ ہیں، جماعت نے ان کا استعفاء منظور نہیں کیا اور جماعت اُنہیں اجازت دینے سے معذور ہے، لہٰذا ہم آپ کے کریمانہ اخلاق سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اُنہیں حسب سابق جامعہ میں کام کرنے کی اجازت فرمائیں گے اور وہاں سے منتقلی پر مجبور نہیں فرمائیں گے۔

جواب کا منتظر خادم العلماء محمد عبداللہ مہتمم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

۶۔۸۔۸۴''

مولانا بشیر الرحمٰنؒ سے مراسلت

''مولانا بشیر الرحمٰنؒ گوجرانوالہ میں اہل حدیث مسلک کے مشہور عالم وخطیب اور مصنف تھے، انہوں نے مدینہ یونیورسٹی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی، مزاج میں تعلی اور مسلکی تشدد کا عنصر نمایاں تھا، ایک موقع پر انہوں نے گوجرانوالہ میں عید کے چوتھے روز گھوڑے کی قربانی کے جواز کا فتویٰ دیا یا بالفعل قربانی کی تو اہلِ گوجرانوالہ نے ان کی مسجد کا نام ہی ''مولوی گھوڑے والی مسجد'' پکارنا شروع کر دیا اور اب تک اسی طرح مشہور ہے، انہوں نے اسی جذباتی پن میں حضرت والد ماجدؒ کے نام ایک خط بھیجا اور مناظرہ کے لیے چیلنج بازی کی تو اس کے جواب میں والد ماجدؒ نے جو لکھا وہ دونوں خطوط مندرجہ ذیل ہیں اور اپنے اپنے اخلاق وتربیت کی عکاسی کر رہے ہیں۔'' (فیاض)

مکتوب مولانا بشیر الرحمٰنؒ بنام مفسر قرآنؒ

''محترم مولانا صوفی عبدالحمید صاحب۔ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم مولانا! آپ کے ہاں سے ایک رقعہ برائے چیلنج مناظرہ از طرف عبد الواحد شاہ صاحب مدرسہ جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ میں موصول ہوا ہے۔

عبد الواحد شاہ ایک ابتدائی طالب علم ہے، جسے علوم کی ابجد تک سے ناواقفیت ہے، وہ اور مناظرے کا چیلنج عقل سے بالا ہے۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ واہ کینٹ والے مناظرہ سے بوکھلا گئے ہیں، آپ اور اس طرح مذموم حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں، آپ کو راولپنڈی مولانا غلام اللہ صاحب اور مولانا حافظ عبد القادر صاحب روپڑی کی گفتگو تو ابھی تک بھولی نہیں ہوگی۔

اس طرح کی حرکات قبیحہ ہی ہیں جو کہ انتشار کا باعث بن رہی ہیں، اب میں اس مناظرہ کے چیلنج کو قبول کرتا ہوں جو کہ دراصل آپ کی طرف سے ہے۔ آپ خود تیار ہوں یا مولوی سرفراز خان صاحب یا کوئی اور معروف مولوی صاحب۔ ہم ان شاء اللہ گوجرانوالہ کو دوسرا راولپنڈی بنا دیں گے۔

اور اگر یہ شرارت محض طالب علم کی طرف سے ظہور میں آئی ہے تو اسے متنبہ کر دیں ورنہ یہی چیلنج کی قبولیت اشتہار کی صورت آپ کے گھر میں دیوار پر لگی ہوئی نظر آئے گی، ان شاء اللہ۔

اس کی وضاحت کرنا آپ کے ذمہ ہے، آپ جلدی جلدی وضاحت کریں ورنہ ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

العبد

بشیر الرحمٰن فاضل عربی مدرس مدرسہ جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ
وخطیب جامع اہل حدیث ۱۴ کرشنا نگر گوجرانوالہ
۲۔۹۔۶۹"

مکتوب مفسر قرآنؒ بنام مولانا بشیر الرحمٰنؒ

"۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ/۴ ستمبر ۱۹۶۹ء

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی جناب مولوی بشیر الرحمٰن صاحب

مدرس جامعہ محمدیہ وخطیب جامع مسجد اہل حدیث نمبر ۴ا کرشنا نگر گوجرانوالہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ایک دستی رقعہ ایک بچے کے توسط سے موصول ہوا، نہایت افسوس کا مقام ہے کہ کسی ابتدائی درجہ کے طالب علم کی بات چیت کو آپ نے براہِ راست ہماری طرف منسوب کر کے ایک دھمکی آمیز رقعہ لکھ دیا، جو بلا تحقیق الزام تراشی سے کم نہیں، کسی ذی علم اور دانشمند انسان سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے، طالب علم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اور ان کے آپس میں بحث ومباحثے بھی ہوتے رہتے ہیں، ہمیں اس کی اطلاع تک بھی نہیں ہوئی اور نہ ہم نے کبھی طلباء کے اس قسم کے بحث ومباحثہ میں دلچسپی لی ہے اور نہ مداخلت کی ہے۔ آپ کے مدرسہ میں ہمارے مدرسہ کے بعض طلباء کے عزیز پڑھتے ہیں، وہ آپس میں ملتے بھی رہتے ہیں اور بحث وتبصرے بھی کرتے رہتے ہیں، ہم اس قسم کی چیلنج بازی کے قائل نہیں اور نہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکات کو پسند کرتے ہیں۔

مسلکی اختلافات کو اس طرح ہوا دے کر شدید سے شدید تر کرنا اور اس قدر بڑھا کر انتشار پیدا کرنا کسی طرح بھی ملت کے مفاد کیلئے اچھی علامت نہیں۔ آن محترم سے توقع ہے کہ آئندہ محتاط رہیں اور کسی طالب علم کی بات سے گھبرا کر اس قسم کے رقعے بھیجنے سے اجتناب کریں۔ آپ نے جس قسم کے الفاظ رقعہ میں استعمال کیے ہیں ایک صاحب علم کے قلم کو زیب نہیں دیتے۔ ہم باوجود مسلکی اختلاف کے اہل علم کی قدر کرتے ہیں اور بلا وجہ کسی کی دل آزاری پسند نہیں کرتے۔ آپ کا اور ہمارا صرف چند مسائل کا اختلاف ہے، دین کا اختلاف نہیں۔ خدا تعالیٰ تعصب اور تنگ نظری سے سب کو محفوظ رکھے۔ قل كل يعمل علٰى شاكلته فربكم اعلم بمن هو اهدىٰ سبيلا۔

والسلام

احقر عبدالحمید سواتی، خادم مدرسہ نصرۃ العلوم، نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

سید شبیہ الحسن محمدی سے مراسلت

''۱۹۷۶ء میں محکمہ اوقاف پنجاب نے جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم کو اپنی تحویل میں لینے کیلئے نوٹیفکیشن جاری کر دیا، جس کے ردِعمل میں ایک ملک گیر تحریک چلی جو ''تحریک جامع مسجد نور'' کے نام سے مشہور ہے، اس کا

تفصیلی تعارف اگر کسی کو مطلوب ہو تو وہ احقر کی کتاب ''تحریک جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم'' میں مطالعہ فرما سکتا ہے، جسے ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے، اس تحریک میں ملک میں موجود تمام مسالک نے ہمارا ساتھ دیا، حتیٰ کہ اہل تشیع نے بھی اپنی ''مجلس عمل شیعہ پاکستان'' کی طرف سے مندرجہ ذیل خط اور قرارداد لکھ کر پریس میں جاری کی اور اس کی کاپی ہمیں بھی ارسال کی تھی۔'' (فیاض)

مکتوب و قرارداد سید شبیہ الحسن محمدی بنام مفسر قرآنؒ

''مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان

۱۰ فلیمنگ روڈ لاہور

۲۶ مئی ۱۹۷۶ء

محترم مہتمم صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

سلام مسنون، میں آپ کے ملاحظہ کے لیے مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان کے ۲۰، ۲۱ مئی کے جھنگ میں منعقدہ اجلاس میں پاس شدہ ایک اہم تجویز کی کاپی بھیج رہا ہوں، اوقاف اور مدارس دینی کے تعلق میں شیعی نقطہ نظر قطعاً اہلسنت سے مطابقت رکھتا ہے، اسی ذہن کے اظہار کے لئے یہ تجویز پاس کی گئی ہے۔

اگر آپ مدارس دینی کے تعلق میں حکومتی قبضہ کے خلاف کوئی تحریک چلائیں گے تو آپ ہمیں ہر طرح حاضر اور تیار پائیں گے، مجلس عمل ہر طرح تعاون کرنے کے لئے تیار ہے، مہربانی کر کے کچھ ذمہ دار حضرات کے پتہ مہیا کیجئے تاکہ آئندہ کے لائحہ عمل کی ترتیب میں ایک دوسرے کو آواز دے سکیں۔

والسلام

شبیہ الحسن محمدی

جنرل سیکرٹری مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان لاہور''

''دینی مدارس کو اوقاف میں لینے کی مذمت''

ہرگاہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی ضبطی اور محکمہ اوقاف کی تحویل میں اس کا لینا اسلام کے قانون وقف کی

خلاف ورزی ہے، اور حکومت کے اس اقدام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تمام تدریسی اداروں کو اپنے تصرف اور قبضہ میں لینا چاہتی ہے جو زیادہ تر اوقاف کے سہارے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اس لئے مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان کا یہ جلسہ حکومت کے ان اقدامات کی پرزور مذمت کرتا ہے اور یہ مشورہ دیتا ہے کہ کسی فرقہ کا بھی دینی ادارہ اپنے قبضہ میں نہ لے۔

محرک: مولانا محمد اسماعیل صاحب لائل پور

موید: مولانا سید محمد عارف صاحب لاہور

صدر جلسہ: مولانا سید صادق علی شاہ صاحب لاہور''

''آج کی گلوبل سوسائٹی میں دین و مذہب کے بارے میں ایک نقطۂ نظر آپ کو یہ ملے گا کہ مذہب کی افادیت سے انکار نہیں ہے، یہ انسانی اخلاق و عادات کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، لیکن مذہب غیب سے کوئی رہنمائی نہیں بلکہ عقائد، عبادات اور اخلاقیات کا یہ مجموعہ انسان ہی کا وضع کردہ ہے۔''

[مولانا زاہد الراشدی]

مولانا قاری سعید احمد
فاضل و مدرس جامعہ نصرۃ العلوم

حفظ کا نظام چلانے والے مدارس کے لئے چند تجاویز

مدارس میں جب بھی اصلاحِ نظام کی آواز اٹھتی ہے تو درسِ نظامی موضوعِ بحث بنتا ہے۔ گزشتہ ایک دو ہفتوں میں چند مدارس میں حفظ کے نظام کو دیکھنے کا موقع ملا تو احساس ہوا کہ حفظ کا نظام بھی خاصی توجہ کا متقاضی ہے۔ حفظ کا نظام چلانے والے مدارس کے لئے چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ کوئی کام کی بات لگے تو اسے لے لیجئے۔

[۱] حفظ کا نظام اکثر و بیشتر مدارس میں قدیم طرز پر چل رہا ہے۔ قدیم بالخصوص پانی پتی طرز کی درسگاہوں میں عموماً بڑے قرا کے پاس پڑھنے کا رواج تھا جوان کے شاگردوں میں بھی اسی طرح رائج ہے۔ ایک ایک استاد کے پاس درجنوں طلبا بیک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تحفیظ القرآن ایک عملی سرگرمی ہے جس میں استاد ہر طالب علم کے ساتھ براہ راست منسلک ہوتا ہے۔ تعداد زیادہ ہوجائے تو استاد کی توجہ کا بٹ جانا بہت فطری ہے۔ بڑی کلاس میں بچہ اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود اوسط درجے کی کارکردگی رکھتا ہے۔ چنانچہ جو بچہ ایک سال میں حفظ کرسکتا ہے اسے دو اور دو سال میں حفظ کی صلاحیت رکھنے والا تین سے چار سال میں حفظ مکمل کرتا ہے۔ حفظ کی ہر درسگاہ میں طلبہ کی زیادہ سے زیادہ تعداد پچیس سے تیس تک ہونی چاہیے۔

[۲] حفظ کے مدارس میں ایک بڑا مسئلہ اچھے مدرسین کا میسر نہ آنا ہے۔ اگر کوئی اچھا مدرس مل جائے تو زیادہ عرصہ قیام نہیں کرتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ فکرِ معاش ہے۔ اکثر مدارس میں انتظامیہ حفظ کے مدرسین کو شعبہ کتب کے مدرسین سے مشاہرے اور مراعات میں کم درجے پر رکھتی ہے بلکہ افسوس تو یہ ہے کہ انہیں مرتبے اور اعزاز میں بھی ''چھوٹے مدرسین'' کی کیٹیگری میں رکھا جاتا ہے بھلے وہ کتنے ہی تجربہ کار ہوں۔ حالانکہ حفظ کا مدرس فضیلت میں سب سے بڑھ کر ہے، نیز جتنی مغز کھپائی کرتا ہے اور جتنا وقت اسے اپنی درسگاہ کو دینا ہوتا ہے اس کا اس کے شایانِ شان اکرام کیا جانا چاہیے۔

[۳] حفظ کا استاد ''مار پیٹ'' کے لحاظ سے خاصا بدنام ہے۔ یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً

۱۔ استاد کا تربیتی لحاظ سے کامل نہ ہونا، چنانچہ عالم شخص کی درسگاہ میں مار پیٹ کی شکایت نسبتاً کم ہوگی۔

۲۔ حفظ کے لئے ناسمجھ بچوں کو لے لیا جاتا ہے جن سے مسلسل مغز کھپائی استاد کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیتی ہے۔ اگر کچھ سکول کی تعلیم پہلے دلوادی جائے یا سمجھ بوجھ رکھنے والے بچے کو داخلہ دیا جائے تو ان سے نمٹنا استاد کے لئے اتنا صبر آزما نہیں ہوتا۔

۳۔ مار پیٹ کا ایک بڑا باعث ہر قیمت پر نتیجے کا حصول بھی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے ہر بچہ حفظ کے لئے موزوں نہیں ہوتا۔ بچے کی صلاحیت جانچنے کے کئی سائنسی معیارات ہیں۔ حفظ میں داخلے کے لئے ایک ماہ کا ٹرائل پیریڈ رکھنا چاہیے جس دوران بچے کا جائزہ لے کر ان کے سرپرستوں سے مشاورت کی جاسکتی ہے کہ آپ کا بچہ حفظ کے لئے موزوں ہیں یا نہیں۔ اگر موزوں ہے تو اسے تکمیل کے لئے اندازاً کتنا وقت درکار ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مدرس سے توقعات کا اضافی بوجھ اتر جائے گا۔

۴۔ مار پیٹ کا ایک باعث نفسیاتی عوارض ہیں جو ضروری نہیں کسی کو ابتدا سے لاحق ہوں۔ بسا اوقات ناسمجھ بچوں سے مسلسل مغز ماری استاد کو ذہنی اذیت سے دوچار کر دیتی ہے اور وہ ایسی چیزوں سے اپنی تسکین چاہتا ہے۔ یہ انتظامیہ کا فرض ہے کہ استاد کی نفسیاتی تربیت کے لئے مختلف اوقات میں سیشنز کا اہتمام کیا جائے۔ حفظ کے اساتذہ اور بچوں کے لئے سیر و سیاحت، تفریحی دورے اور ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام دیگر طلبہ سے زیادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

[۴] حفظ کا مطلب صرف قرآن پاک کو حافظے میں جگہ دینا ہے۔ اس کے لئے غیر ضروری تجربات سے گریز کرنا چاہیے۔ مثلاً آیت نمبر وغیرہ تک کے حفظ کا اہتمام، بعض جگہ تو یہ بات بھی سننے میں آئی کہ فلاں درسگاہ کی ایسی شاندار کارکردگی ہے کہ بچہ قرآن الٹا بھی پڑھ لیتا ہے۔ سن کر سخت افسوس ہوا کہ کن معیارات کو اپنا لیا گیا ہے۔

[۵] اگر کبھی سبق کا ناغہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن سبقی اور منزل کا ناغہ بالکل نہ ہو۔

[۶] ناظرے کے دوران والدین اور سرپرستوں کو آگاہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حفظ القرآن کے لئے بچے کی معیاری عمر کیا ہے۔ میں کچھ عرصے سے اس بات کا بغور مشاہدہ کر رہا ہوں اور حفظ کے مدرسین کے سامنے بھی یہ سوال پیش کرتا رہتا ہوں، میری رائے میں حفظ کے لئے بچے کی عمر گیارہ سال ہونی چاہیے۔ یہ بچہ ڈیڑھ سے دو سال

میں ان شاء اللہ حفظ کی تکمیل سے فارغ ہوسکتا ہے۔ کوشش کیجیے کہ عمر اس سے بڑھنے نہ پائے۔ اگر آپ بچے کو حفظ کروانے کے خواہشمند ہیں تو گیارہ سال کی عمر تک اس کے اچھے ناظرے پر توجہ مرکوز رکھیے عمر جب گیارہ سال ہو جائے تو پرائمری مکمل ہونے کا انتظار مت کیجیے بچے کو حفظ کی درسگاہ میں بٹھا دیجیے۔

[۷] اخلاقی اور فکری تربیت کا اہتمام حفظ کی درسگاہ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ حفظ کی درسگاہ سے بچے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے کچھ ایسی درسگاہیں بھی ہے جہاں کے فارغ التحصیل معاذ اللہ دین کے ساتھ نسبت پر بھی شرمساری محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ ایسی درسگاہیں بھی موجود ہیں جہاں بچے صرف حفظ کے لیے آئے اور کامل بن کر نکلے۔

[۸] مدرس کی منزل کا پختہ ہونا ضروری ہے۔

[۹] حفظ کے مدرس کے لیے تجوید کا فارغ التحصیل ہونا ضروری ہے۔

[۱۰] مدرس کی عمر کم از کم ۲۵ سال ہو۔

تلك عشرة كاملة۔

> ''دنیائے انسانیت کو دینی تعلیمی اداروں کے اس کردار کا معترف ہونا چاہیئے کہ وہ آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کے مستند ذخیرے کی حفاظت اور نسل درنسل منتقلی کی ذمہ داری کامیابی سے نبھاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہی آج کے عالمی تناظر میں دینی مدارس کا درست تعارف ہے۔'' [مولانا زاہد الراشدی]

عدنان ڈیروی
فاضل جامعہ نصرۃ العلوم

خدمتِ انسانیت اور اسلامی تعلیمات

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو سراپا خیر و رحمت ہے، اور حسن سلوک خیر خواہی سے عبارت ہے، دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور مخلوق خدا کی خدمت اس کا طرۂ امتیاز ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دین کو رحمت اس کے خدا کو رحمٰن ورحیم اور اس دین کے نبی کو رحمۃ اللعالمین کہا گیا ہے۔

اسلام میں احترام انسانیت اور خلق خدا کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس لئے سماج سے الگ ہٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا، اس کے تمام تر مشکلات کا حل سماج میں موجود ہے، مال و دولت کی وسعتوں اور بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے، اس لئے ایک دوسرے کی محتاجی کو دور کرنے کے لئے آپس کا تعاون، ہمدردی، خیر خواہی اور محبت کا جذبہ سماجی ضرورت بھی ہے، مذہب اسلام چونکہ ایک صالح معاشرہ اور پرامن سماج کی تشکیل کا علمبردار ہے، اس لئے مذہب اسلام نے ان افراد کی حوصلہ افزائی کی ہے جو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہیں، انسان سماج اور معاشرہ کے دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کا درد اپنے دلوں میں سمیٹے، تنگ دستوں اور تہی دستوں کے مسائل کو حل کرنے کی فکر کرے، اپنے آرام کو قربان کر کے دوسروں کی راحت رسانی میں اپنا وقت صرف کرے، کسی شخص کی ذاتی ضرورت کے وقت اس کا کام کرنا یا معاشرے کی اجتماعی ضرورتوں اور سہولتوں کو فراہم کرنے کی کوشش کرنا چاہے، وہ کوشش مال کے ذریعے ہو یا وہ خدمت اور محنت کے ذریعے، ان سب کا نام رفاہی کام ہے، جسے خدمت خلق بھی کہا جاتا ہے، انسان اپنی فطری، طبعی، جسمانی اور روحانی ساخت کے لحاظ سے سماجی اور معاشرتی مخلوق ہے، یہ اپنی پرورش، نشو ونما، تعلیم و تربیت، خوراک و لباس اور دیگر معاشرتی ومعاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے انسانوں کا محتاج ہے، یہ محتاجی قدم قدم پر اسے محسوس ہوتی اور پیش آتی ہے، اسلام ایک دین فطرت ہے، اس لیے

اس نے انسان کی تمام ضروریات اور حاجات کی تکمیل کا پورا بندوبست کیا ہے، یہ بندوبست اس کے تمام احکامات میں نمایاں ہے، لفظ خدمت جب احاطہ ذہن میں گھومتا ہے تو ذہن میں عموماً بڑی بڑی خدمات گردش کرتی نظر آتی ہیں، جنہیں ادا کرنے کی ہمت و طاقت ہر شخص اپنے اندر نہیں پاتا، جس سے چھوٹی چھوٹی خدمات جو انسان آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے وہ بھی رہ جاتی ہیں، اس طرح بڑی بڑی خدمات نہ پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں اور نہ چھوٹی، حدیث مبارکہ کے مطالعہ اور متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انسانیت کی خدمت چاہے چھوٹی ہو یا بڑی احسان اور اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے، لفظ خلق کا روئے زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات پر اطلاق ہوتا ہے، چاہیے وہ انسان ہوں یا جانوران سب کی خدمت کرنا اور ان کا خیال رکھنا ہمارا اسلامی اور اخلاقی فرض بنتا ہے، خدمت خلق اور شفقت علی الخلق بہت بڑی عبادت و سعادت ہے، اسلام اپنے ماننے والوں کو امت کا ہمدرد بنانے کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کا بھی ہمدرد بناتا ہے، اسلام نے تعصب اور نفرت کی نفی کی ہے، تعصب برتنے والے بھی نقصان میں رہتے ہیں، تعصب سے انسان کے اندر عداوت اور نفرت پیدا ہوتی ہے، کسی فرد یا سماجی گروہ کے لئے ہر لمحہ نفرت محسوس کرنے کا تجربہ تو بہرحال ہے ہی ایک منفی سوچ جو کہ نہیں ہونی چاہیے، یہ زندگی کے امکانات کو محدود اور زندگی کی توانائیوں اور مسرتوں کو معدوم کرتا ہے، جو شخص تعصب کی بیماری کا شکار ہے وہ اپنی قوم کیساتھ ساتھ دوسروں سے بھی محبت و ہمدردی اور خدمت خلق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

عظیم دانشور شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی فرماتے ہیں۔

اگر میری اس گزارش کو گستاخی پر محمول نہ کیا جائے تو میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ خدمت خلق اور رفاہ عامہ کے کاموں میں ہماری کوتاہی اور غفلت کا زیادہ دخل ہے، کیونکہ ہم رفاہ عامہ کے محاذ پر، عوام کی تعلیم و صحت کی بہتری کے محاذ پر اور ان کے حقوق و مفادات کے محاذ پر سرگرم نہیں ہیں، ہم نے ان کاموں کو اپنی ذمہ داریوں کے دائرے سے باہر نکال رکھا ہے، اور اسی خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسیحی مشنریاں اور این جی اوز ہمارے ہاں اربوں روپے صرف کر کے کسی حد تک رفاہی کام بھی کر رہی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ فکری انتشار اور تہذیبی خلفشار پھیلانے میں مصروف ہیں۔

قرآن حدیث کی روشنی میں خدمت خلق کا تصور

قرآن مجید نے زندگی کے کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا اعزاء و اقربا میں کچھ ایسے بھی چہرے ہوتے ہیں جو فقر

ومحتاجی سے دوچار ہیں لیکن حیا نے انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی مدد کے حوالے سے فرمایا "وفی اموالکم حق للسائل والمحروم" دوسری جگہ فرمایا "والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم" فرمایا مانگنے والوں کو تو ہر کس و ناکس دیتا ہے لیکن کہیں سوال نہ کرنے والے محروم نارہ جائے۔

کنتم خیر امة اخرجت لناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر۔ (آل عمران)
تم بہترین امّت ہو جو تمام انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہو، تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو انسانوں سے آباد کیا۔ ان کے آپس میں رشتے قائم کیے، باہم ایک دوسرے کے ساتھ ضرورتیں وابستہ کیں۔ حقوق وفرائض کا ایک کامل نظام عطا فرمایا۔

دوسروں کو فائدہ پہنچانا اسلام کی روح اور ایمان کا تقاضہ ہے، ایک دوسرے کی مدد سے ہی کاروان انسانیت مصروف سفر رہتا ہے اور زندگی کا قدم آگے بڑھتا ہے، اگر انسان انسان کے کام نہ آتا تو دنیا کب کی ویرانہ بن چکی ہوتی، انسان دیگر ضروریات کی طرح معاشرتی ومعاشی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کا کسی نہ کسی لحاظ سے محتاج ہے، اسلام کے نزدیک مخلوق اللہ تعالی کا کنبہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''الخلق کلهم عیال الله واحبهم الیه انفعهم لعیاله'' مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالی کا کنبہ ہے۔ اس میں وہ شخص اللہ کا زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبہ کو زیادہ نفع پہنچائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مسکینوں، محتاجوں، معذوروں، یتیموں اور دنیاوی وسائل سے محروم انسانوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، یہ حسن سلوک اور خدمت پوری نوع انسانی کی ہو اپنوں کے ساتھ غیروں کی بھی ہو، ہم عقیدہ وہم مذہب لوگوں کی بھی اور ہم سے اختلاف رکھنے والوں کی بھی خدمت ہو، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لایرحم الله من لا یرحم الناس" اللہ تعالی اس شخص پر رحم نہیں فرماتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (مسلم شریف)

مذکورہ حدیث اور اس جیسی تمام احادیث مبارکہ میں کوئی فرق وامتیاز کیے بغیر پوری مخلوق اور نسل انسانی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی مدد، ہمدردی اور خدمت بلا امتیاز کی جائے۔

خدمت خلق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری سے کچھ گھبراہٹ محسوس کی گھر واپس تشریف لائے تو غمگسار شریک حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کیفیت سن کر عرض کیا "کلا واللّٰہ لا یخزیك الله ابداً انك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق"۔(بخاری شریف)

اللہ تعالی آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور آسمانی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

ان پانچوں اوصاف جن کا خصوصیت سے اماں خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا ان سب کا تعلق خدمت خلق کے مختلف پہلوؤں سے ہے۔اس میں حسن سلوک بھی ہے اور بدنی و مالی تعاون بھی ہے۔اگر اس جہت سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے تو پوری حیات مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نمونہ نظر آتی ہے۔

اسی طرح بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ایک موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور اپنا سامان اٹھا کر مکہ مکرمہ سے نکلے تو راستہ میں بنو قارہ قبیلہ کا کافر سردار ابن الدغنہ ملا۔ وہ یہ معلوم کر کے پریشان ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر ہجرت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ابن الدغنہ نے اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہی الفاظ کہے جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غار حرا سے واپسی پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہے تھے۔اس کافر سردار نے کہا کہ آپ لوگوں کے حسن سلوک کرتے ہیں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا ہیں، آپ جیسے لوگوں سے سوسائٹی کا محروم ہو جانا بہت بڑی محرومی ہے، اس لیے میں آپ کو مکہ نہیں چھوڑنے دوں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ واپس لایا اور اعلان کیا کہ آج سے ابوبکر میری امان میں ہیں اس لیے کوئی شخص ان سے تعرض نہ کرے۔

خدمت خلق کا وسیع تر مفہوم

خدمت خلق اور رفاہ عامہ کا تصور درحقیقت حقوق العباد اور احترام انسانیت کے اسلامی فلسفے کی اساس ہے۔جس سے اسلام میں اس کی عظمت و اہمیت کا پتا چلتا ہے۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد ربانی ہے، اے ایمان والو! نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون و مدد کرو گناہ اور برائی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے۔ (جامع ترمذی)

مخلوق خدا کی خدمت کرنا، ان کے کام آنا، ان کے مصائب و آلام کو دور کرنا، ان کے دکھ درد کو بانٹنا اور ان کے ساتھ ہمدردی و غم خواری اور شفقت کرنے پر شریعت نے زور دیا ہے، خدمت خلق ایک جامع لفظ ہے، یہ لفظ ایک وسیع تر مفہوم رکھتا ہے، خدمت خلق کے معنی مخلوق کے کام آنا ہے، لیکن اسلام میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی کے لیے بلا کسی اُجرت اور صلے کے خلق خدا کے کام آنا، اصطلاح شرع میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جائز امور میں اللہ کی مخلوق کا تعاون کرنا خدمت خلق کہلاتا ہے، دنیا کے ہر مذہب نے انسانیت کی بلا امتیاز خدمت کی تلقین کی ہے، ضرورت مند کی حاجت روائی ہر مذہب کی بنیادی تعلیم ہے، لیکن خدمت انسانیت یہ اسلام کا طرۂ امتیاز اور مسلمانوں کا بنیادی وصف ہے، یہی ہماری شان اور ہمارا شعار ہے، اور یہ امت خدمت انسانیت کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے، بلکہ ہمیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے یہ بھی راہنمائی ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت کے معاملے میں صرف اسلام و کفر کی تفریق ہی نہیں مٹائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز زندگی اختیار فرمایا ہے اس میں حیوانوں اور جانوروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا خیال رکھنے کا بھی درس دیا گیا۔ ہمیں کتب سیرت اور کتب فقہ میں ''مؤلفۃ قلوب'' کی ایک مستقل اصطلاح ملتی ہے، ہمیں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی بے شمار مثالیں نظر آتی ہیں۔

خدمت خلق کیا ہے

آیات و روایات کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خدمت خلق نہ صرف صالح سماج کی تشکیل کا اہم ترین ذریعہ ہے بلکہ محبت الٰہی کا تقاضہ، ایمان کی روح اور دنیا و آخرت کی سرخروئی کا وسیلہ بھی ہے، قرآن و سنت کا مطالعہ ہو، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت کا مشاہدہ ہو، خدمت خلق کی سرگرمیاں، انفاق فی سبیل اللہ، فلاحی اور رفاہی کاموں کے حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں، خدمت خلق میں اعلیٰ درجہ کا انفاق فی سبیل اللہ ہے، ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کے اصول متعارف کروا کر متوسط اور کمزور درجہ کے شہریوں کے معاشی تعطل کو دور کر کے ان کی زندگیوں کو خوشحال بنائے، اسلام چاہتا ہے معاشرہ کا ہر فرد معاشی

طور پر خود کفیل ہوا سے دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑیں، انسان خود محنت و جدجہد کرے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کی تکمیل کے لیے جائز حدود میں کوشش کرے، یہ یاد رہے کہ مالی تعاون ہی صرف خدمت خلق نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم وسیع تر ہے، عام طور پر لوگ محض مالی امداد کو ہی خدمت خلق سمجھتے ہیں، حالانکہ مالی امداد کے علاوہ کسی کی کفالت کرنا، علم و ہنر سکھانا، مفید مشوروں سے نوازنا، بھٹکے ہوئے مسافر کو صحیح راہ دکھانا، علمی سرپرستی کرنا، تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنا، کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ان جیسے سیکڑوں دوسرے امور بھی خدمت خلق کی مختلف راہیں ہیں جن پر اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ہر انسان چل سکتا ہے۔

مذہب اسلام نے خدمت خلق کے دائرہ کار کو کسی ایک فرد یا چند جماعتوں کے بجائے تمام افراد اور امت پر تقسیم کر دیا ہے۔ غریب ہو تب، امیر ہو تب یا بادشاہ وقت ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر خدمت خلق کی انجام دہی کا ذمہ دار ہے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت خلق کی محض زبانی تعلیم نہیں دی بلکہ آپ کی عملی زندگی خدمت خلق سے لبریز ہے، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعثت سے قبل بھی خدمت خلق امتیازی وصف تھا۔ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ خدمت خلق ہماری سوچ و تصور سے بھی زیادہ موجزن ہو گیا تھا۔ مسکینوں کی دادرسی، مفلوک الحال پر رحم و کرم محتاجوں، بے کسوں اور کمزوروں کی مدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ نمایاں اوصاف تھے۔ جس نے آپ کو خدا اور خلق خدا سے جوڑ رکھا تھا، فتح مکہ کے موقع سے عام معافی کا اعلان وغیرہ اس کی روشن مثالیں ہیں، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و عمل سے خدمت خلق اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔ نہ صرف عبادات کے بارے تاکید فرمائی بلکہ خدمت انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کی بھرپور تلقین بھی فرمائی ہے، ہر قسم کی خیر خواہی کے پہلو سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روشناس کرایا۔

صحابہ کرام اور صحابیات خدمت خلق سے متصف تھے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خلق خدا پر مہربان تھے، وہ انسانوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور بھلائی سے پیش آتے تھے، مجبور اور کمزور لوگوں کے کام آتے تھے۔ بالفاظ دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جذبہ خدمت خلق کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلاموں کو تلاش کر کے آزاد کرانا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا راتوں کو لباس بدل کر خلق خدا کی دادرسی

کے لئے نکلنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی فروخت کرنے والے یہودی سے کنواں خرید کر مسلم وغیر مسلم سب کے لئے وقف کر دینا تاریخ اس طرح کے مشہور خدمت خلق کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ انصار کا مہاجرین کے لئے بے مثال تعاون بھی اسی زمرہ میں آتا ہے، رفاہی کاموں کے لیے زمین، جائیداد اور قیمتی چیزوں کو وقف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور یہ ان کاموں کو جاری رکھنے کے لیے بہت بڑا ذریعہ بھی ہے۔ اور وقف کرنے والے کے لیے صدقہ جاریہ بھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہی یہ امتیازی وصف ہے کہ انہوں نے خود فاقے میں رہ کر دوسروں کو ترجیح دی مہمانوں کا خیال کرتے ہوئے اپنے معصوم بچوں تک کو بھوکا سلایا قرآن کریم نے صحابہ کے جذبہ ایثار کی تعریف یوں کی ہے "ویوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة " اور صحابہ ان لوگوں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود فاقہ ہو۔

خدمت خلق کا یہ جذبہ چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہی منحصر نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے نظام مصطفیٰ کی عملی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی۔ جذبہ خدمت خلق میں نا صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیش پیش تھے بلکہ صحابیات رضوان اللہ علیہا بھی ان سے کچھ کم نہ تھیں۔

آیئے! دیکھتے ہیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابیات رضوان اللہ علیھا کا رفاہی کاموں میں کیا کردار رہا ہے، اوران خواتین نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گھر سے باہر کن کن میدانوں میں کام کیا اور اس طرح سماج ومعاشرہ کی تعمیر میں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مزید کتنا حصہ لیا، ہم یہاں صرف عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں کی سماجی ورفاہی سرگرمیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بڑی رحم دل، منکسر المزاج اور سخی خاتون تھیں، آپ ہمہ وقت دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتی تھیں اور ہمیشہ آپ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیا کرتی تھیں، فقراء اور مساکین کے ساتھ فیاضی کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں ان کی کنیت ام المساکین مشہور ہوگئی تھی، اگر چہ آپ کا بچپن بڑے ناز ونعم میں گذرا لیکن اس دور کی دوسری بچیوں کی بہ نسبت آپ بڑی منفرد تھیں۔ بچپن ہی سے انھیں غریبوں، مسکینوں اور فاقہ کشوں کو کھانا کھلانے کا بڑا شوق وذوق تھا۔ جب تک وہ کسی کو کھانا نہ کھلا لیتیں انھیں سکون محسوس نہ ہوتا، ان کے باپ خزیمہ کا شمار اس زمانے کے بڑے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی، باوجود اس دولت وثروت

کے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے اندر بچپن ہی سے عاجزی، انکساری اور فیاضی کی صفت پائی جاتی تھی، ان خدمات کے علاوہ بھی خواتین اسلام کے کچھ نمایاں کارنامے ہیں۔ مثلاً: اسلامی لشکر میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی دیکھ بھال، خواتین جنگوں میں جایا کرتی تھیں اور زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ حضرت انس بن مالک کی روایت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم اور انصار کی دوسری عورتوں کو غزوات میں لے جاتے تھے تو وہ پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں مشہور مجاہد صفت صحابیہ حضرت نسیبہ بنت حارث ام عطیہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں حصہ لیا میں غازیوں کے خیموں میں رہتی تھی ان کے لئے کھانا پکاتی تھی زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو خدمت کے لئے کمر بستہ اپنی پشت پر مشکیزے اٹھاتے ہوئے دیکھا زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور بار بار پانی بھر کر لاتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بھی کئی صحابیات غزوات میں تشریف لے گئیں۔ جن میں ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔

خدمت خلق کے مختلف طریقے

اسلام نے زندگی گزارنے کے زریں اصول کو متعارف کروایا خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور معاشرے کو خوشحالی کی طرف گامزن کرنے کے لیے امراء کی توجہ غرباء کی طرف مبذول کروائی اور اس کا اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر دو یتیم بچوں کی کفالت کا ذمہ قبول کر کے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ میں صحابہ کرام اور صحابیات نے غربا کی اس قدر معاشی کفالت کی اور یتیموں کی پرورش کا ایسا حق ادا کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو ڈھونڈنے سے بھی ایسا شخص نہیں ملتا تھا کہ جس کو وہ صدقہ و خیرات یا زکوٰۃ دے سکیں۔

انسانیت کی خدمت کے بہت سے طریقے ہیں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد، مسافروں، محتاجوں اور فقرا و مساکین سے ہمدردی، بیماروں، معذوروں، قیدیوں اور مصیبت زدگان سے تعاون یہ سب خدمت خلق کے کام ہیں اور وسیع تر تناظر میں ان سب سے بڑھ کر انسانوں سے ہمدردی یہ ہے کہ ان کو دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے ذریعے دوزخ کی آگ سے بچایا جائے اور رب کی رضا اور صراط مستقیم کی طرف ان کو دعوت دی جائے۔ قوموں کی ذہنی اور فکری تعمیر میں تعلیم بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے کسی قوم میں جو رفاہی خدمات سرانجام دی جاتی ہیں ان

میں تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اسلام نے تعلیم کے فروغ کی پوری کوشش کی ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی توسیع واشاعت کوایک دینی فریضہ قرار دیااور فرمایا جوشخص دین کا جتنا علم حاصل کرے اوراسے دوسروں تک پہنچائے،موجودہ دور میں علم کے فروغ کا بڑاذریعہ تعلیمی ادارے اور درسگاہیں ہیں،یہیں سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جوعلم وفن،تہذیب وتمدن اورمعیشت وسیاست کے مختلف شعبوں میں رفاہی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

موجودہ دوراور رفاہی ادارے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کرونا وائرس وباء سے لوگوں کوانفرادی واجتماعی سطح پر بے حد نقصان پہنچا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کے لیے کرونا وائرس وباء اور لاک ڈاؤن کچھ نیا کرنے کا موقع بن کر سامنے آیا ہے۔

ایسے افراد نے کرونا وائرس وباء اور لاک ڈاؤن کے دوران اپنی روزمرہ کی زندگی سے ایک وقفہ لیا اوراس وقفے کے دوران ان کی نظر اچانک ایسی چیزوں پر پڑنے لگی جوعموماً پہلے نظرانداز ہوجایا کرتی تھیں،کسی نے خدمت خلق کے طور پر اپنی گلی میں کوڑے کے ڈھیر صاف کر دیے تو کسی کی طرف سے ہسپتالوں اورگھروں میں مریضوں کے لیے کھانا پہنچانے کا کام شروع ہوگیا،ان مشکل ترین حالات میں شاید یہی کچھ مثالیں تھیں جنہوں نے انسانیت اور جذبہ ایثار کو باقی رکھا۔

خصوصا اس ماحول میں عالمی وباء سے کئی زندگیاں اجیرن بن چکی ہیں،مزدور،کسان اور بہت سے لوگوں کی زندگی بری طرح متاثر ہوچکی ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اسلامی تعلیمات پرعمل کرتے ہوئے محض انسانیت کی بنیاد پر ذات پات،رنگ ونسل کا لحاظ کیے بغیر پریشان حال لوگوں کا تعاون کریں ہمدردی،مساوات اور رواداری کا نمونہ پیش کریں،انفرادی طور پر بہت سے لوگوں نے معاشرے کی بھلائی کے لئے کام کیا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی حیثیت کے بہت سے ایسے ادارے بھی وجود میں آگئے۔جنہوں نے معاشرے کے تنگدست طبقوں کے مسائل کے حل کے لئے بہت سا کام کیا اور بھلائی کے یہ کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس وقت انسانی بھلائی کے سینکڑوں ادارے مختلف میدانوں میں کام کررہے ہیں،جن میں تعلیم،تربیت،بہبود آبادی،ماحولیات اور آفات میں امداد وتعاون کرنے والے بہت سے ادارے معاشرے کوسنوارنے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں،ہر دور میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعے رفاہی خدمات سرانجام پاتی ہیں۔ان میں بعض غیرمعمولی خدمات بھی ہوتی ہیں،جن سے نوع انسانی کو بہت فائدہ پہنچتا ہے،لیکن اس طرح کے افراد کی تعداد

کسی بھی دور میں کچھ زیادہ نہیں ہوتی، فرد واحد کے پاس قوت وصلاحیت کا سرمایہ بھی کم ہوتا ہے۔ وسیع پیمانے پر رفاہ عامہ کے کام کی طاقت کے لیے ضروری ہے کہ بہت سے افراد مل کر منظم طریقے سے کوشش کریں۔ اسلام نے زکوٰۃ کا نظام ریاستی سطح پر کیا ہے۔ صاحب نصاب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد مستحق تک پہنچانا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام خدمت خلق کے لیے بھی منظم جدو جہد کو پسند کرتا ہے۔ انسانیت کی خدمت اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے غیر مسلم تنظیموں اور اداروں کے ساتھ تعاون میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل ایک معاہدہ میں شریک ہوئے۔ عرب میں جب کوئی سیاسی نظام نہیں تھا ہر طرف سیاسی اور سماجی انتشار پایا جاتا تھا جنگ وجدل، خونریزی، ظلم وزیادتی کا بازار ہر وقت گرم رہتا تھا عرب کے چند امن پسندوں نے مل کر عبداللہ بن جدعان کے گھر معاہدہ کیا کہ ہر صورت انتشار وظلم کی بڑھتی ہوئی لہر کو روکنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک ہوئے۔ اور بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام آنے کے بعد بھی اگر مجھے اس طرح کے معاہدہ میں دعوت دی جائے تو قبول کروں گا۔ (طبقات ابن سعد)

اسلام ایک طرف ظلم کے ارتکاب سے منع کرتا ہے، دوسری طرف اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی ہو تو معاشرہ اسے خاموشی سے برداشت نہ کرے، ہم اپنے اردگرد لوگوں کی کمیونٹی کا حصہ بنیں تا کہ ہم لوگوں کے کام آئیں اور اُن کی مدد اور دیکھ بھال کریں، اس کے ساتھ ساتھ اجنبیوں سے مہربانی سے پیش آئیں، حسد اور غصے کی جگہ افہام وتفہیم اور ہمدردی کو اپنائیں، دوسروں کی مدد کرنے کی بجائے ذاتی زندگی کی مصروفیات میں کھوئے رہنا بہت آسان ہوتا ہے، جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اہمیت دیں۔ وہاں یہ بھی اہم ہے کہ کبھی کبھار دوسروں کی مدد کرنے کے لئے بھی وقت نکالیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مولانا محمد ابوبکر حنفی شیخوپوری

اصولی وفروعی اختلافات --- حقیقت اور وجوہات

خلاق عالم کی تمام تخلیقات میں اس کی قدرت کا سب سے انمول شاہکار انسان ہے جو جسمانی ساخت، وجود کی بناوٹ، قد وقامت اور شکل وصورت کے اعتبار سے بھی ساری مخلوقات پر فائق، قدرت کی صفت خلق کا مظہر اور اس کی شان خالقیت کا پرتو ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرافت وعظمت، بلندی وبرتری اور سرداری وصدارت میں خلقت کا کوئی فرد اور اجناس عالم کی کوئی نوع اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔ جس طرح ''احسن تقویم'' کا سب سے عمدہ تخلیقی زاویہ اور ''خلقت بیدی'' کا خاص اعزاز انسان کے حصے میں آیا اسی طرح ''ظلوم'' ''جھول'' ''عجول'' ''نسیان'' اور دسیوں فطری کمزوریوں کے باوجود ''کرمنا بنی آدم '' کی دستار فضیلت اسی کے سر پر سجا کر اس کو کائنات کا دلہا بنایا گیا۔ تمام تر حیوانات، نباتات، جمادات اور ناری ونوری مخلوقات پر نوع انسانی کی برتری اور فوقیت کی وجہ اس کو عطاء کردہ عقل وشعو اور علم وبصیرت کی وہ لازوال دولت اور عظیم نعمت ہے جو منفعت ومضرت کی پہچان، صحیح وغلط کی نشاندہی اور حق وباطل میں امتیاز کرتی ہے۔

عقل اور اختلاف کا تلازم

اختلاف اور عقل باہم لازم وملزوم ہیں، اختلاف عقل کا وہ لازمی اثر ہے جو تاثیر کا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہتا، کسی بھی معاملے پر آراء کا اختلاف معاشرے میں اہل عقل اور اصحاب بصیرت افراد کی موجودگی کا پتا دیتا ہے۔ جہاں سب لکیر کے فقیر ہوں اور ہاں میں ہاں ملانے کی روایت پر چل رہے ہوں تو یہ طرز عمل اور سطحی پن اس معاشرے کے افراد کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کیا جاتا ہے۔ اختلاف جو کہ بظاہر ایک بری چیز ہے لیکن درحقیقت وہ معاملے کے تمام پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے اور کسی مسئلہ پر عقلاء کا اختلاف ہو جائے تو اس کے ایک کی بجائے بیسیوں حل نکل آتے ہیں۔ یہی حکمت ہے شریعت کی مشورہ کی مشروعیت میں کہ کوئی شخص کتنا ہی ذکی، صاحب فراست اور زمانہ شناس کیوں نہ ہو وہ خود کو عقل کل سمجھ کر اپنے معاملات اور معمولات کو سرانجام نہ دے اور اپنی زندگی

کا کوئی بھی اہم فیصلہ اہل رائے سے راہنمائی حاصل کئے بغیر نہ کرے۔

اختلاف کے آداب اور حدود

جب کسی نقطہ نظر پر کسی سے اختلاف ہو اور اس کے سامنے اپنے مدعا کا اثبات مقصود ہو تو اس سلسلہ میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ باہمی بحث وتمحیص کے موقع پر جانبین ایک دوسرے کی عزت نفس کو ملحوظ خاطر رکھیں، تلخ اور تند جملوں کے ذریعہ تبادلہ خیال سے گریز کریں، احترام اور تقدس کے رشتے کو ٹھیس نہ پہنچنے دیں اور ایک دوسرے کی ذاتیات کو زیر بحث نہ لائیں۔ قرآن کریم میں اپنے پیارے حبیب ؐ کو باری تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ادفع بالتی ھی احسن۔ (حم السجدۃ: ۳۴) ''اور آپ اس طریقے سے جواب دیں جو اچھا ہو''۔ غور کریں! وہ یہودی جو اسلام کے ازلی دشمن اور ہر وقت پیغمبر اسلامؑ کے درپے رہتے تھے، کئی مرتبہ آپ ؐ کے قتل کی سازش کر کے آپ ؐ کے جانی دشمن ثابت ہوئے اور آپ ؐ کو ''راعنا'' یعنی العیاذ باللہ چرواہے یا نادان جیسے قبیح اور غیر مہذب الفاظ سے مخاطب کیا لیکن اس سب کے باوجود آنحضرتؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ان سے علمی مبارزت کرتے ہوئے وقار اور شائستگی کا دامن نہ چھوٹنے دیں۔ اسی آیت مبارکہ میں اس سے آگے اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے حق جل مجدہ نے فرمایا فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم ''پھر یکایک ایسے ہوگا کہ جس شخص کو آپ کے ساتھ دشمنی تھی گویا کہ وہ آپ کا خالص دوست ہے''۔ یعنی آپ کی شیریں کلامی مخالف کے دل میں آپ کا گھر کر دے گی اور دونوں کے درمیان عداوت ونفرت کے عنصر کو جڑ سے ختم کر کے دوستانہ تعلق پیدا کر دے گی، اگر باہمی منازعت ان حدود سے تجاوز کر جائے اور ان قیود سے آزاد ہو جائے تو وہ اختلاف کی بجائے مخالفت کا روپ دھار لیتی ہے اور نہ صرف یہ کہ بحث بے نتیجہ ختم ہو جاتی ہے بلکہ آپس کی دوریاں مزید بڑھ جاتی ہیں اور بسا اوقات سلام وکلام کا رسمی تعلق بھی باقی نہیں رہتا۔

اصولی وفروعی اختلاف

دینی امور میں اختلاف دو طرح کا ہوتا ہے، ایک عقائد کا اختلاف اور ایک مسائل کا اختلاف، اہل شرع کی اصطلاح میں عقائد کے اختلاف کو اصولی اختلاف اور مسائل کے اختلاف کو فروعی اختلاف کہا جاتا ہے۔ مذکورہ دونوں قسم کے اختلافات کوئی دور جدید یا ماضی قریب کے پیدا شدہ نہیں بلکہ یہ خیر القرون سے چلے آرہے ہیں اور ان کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی اسلام کی تاریخ۔ معتزلہ، خوارج اور روافض، جبریہ، قدریہ سب گمراہ فرقے جنہوں نے عقائد میں اختلاف کر کے نئی نئی تحقیقات کے ذریعے امت کو افتراق وانتشار کی راہ پر لگایا وہ سب صحابہ کرامؓ کے

دور میں وجود میں آئے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن عباسؓ اور کئی صحابہ کرامؓ کے ان سے کامیاب اور فیصلہ کن مناظرے اور مدلل ومسکت رد کتب احادیث میں منقول ہے،اسی اصولی اختلاف کی بنیاد پر قیامت تک وجود میں آنے والے تہتر فرقوں کی نبی کریمؐ نے پیش گوئی فرمائی اور ان میں سے ناجی فرقے کی نشاندہی بھی فرمائی۔پھر اس بات کو بھی مسلمہ حقیقت کے طور پر جاننا لازمی ہے کہ عقائد کے باب میں اختلاف صرف دین اسلام میں ہی نہیں بلکہ تمام ادیان سماویہ میں رہا ہے،آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں میں مسلمانوں کی طرح بیسیوں فرقے ہیں، نبی کریمؐ نے جس طرح اپنی امت میں پیدا ہونے والے تہتر فرقوں کی پیشگی خبر دی اسی طرح اہل کتاب کے سابقہ بہتر فرقوں سے بھی امت کو آگاہ فرمایا۔اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اصولی اختلافات تمام ادیان سماویہ میں رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ جس طرح قطعیت سے ثابت شدہ عقائد میں ذکر کردہ گمراہ کن فرقوں نے اختلاف برائے افتراق کیا اسی طرح صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی ظنیت سے ثابت شدہ بعض عقائد میں اختلاف رہا ہے لیکن یہ اختلاف برائے افتراق نہیں بلکہ ذاتی رائے کے درجہ میں تھا اور وہ بھی صریح نصوص کی روشنی میں اور ان عقائد کی حیثیت بھی ظنی تھی جس سے ضروریات دین پر زد نہیں پڑتی تھی اور نہ اسلام کے قطعی عقائد کی عمارت متزلزل ہوتی تھی مثلاً حضرت امیر معاویہؓ اس بات کے قائل تھے کہ شب معراج آنحضرتؐ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے ہیں جبکہ حضرت عائشہؓ اس نظریئے کی واضح تردید کرتی ہیں اور اس کے قائل کو کاذب کہتی ہیں۔اسی طرح سماع موتی کے مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع کے جبکہ حضرت عائشہؓ عدم سماع کی قائل تھیں وغیر ذالک۔

یہ تو بات تھی اصولی عقائد میں اختلاف کی۔اگر ان فروعی مسائل کو سامنے رکھیں جن میں صحابہ کرامؓ میں اجتہادی اختلاف رہا ہے تو وہ شمار سے باہر ہیں۔رفع یدین،آمین بالسر والجہر ،قعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت،جلسہ استراحت۔نماز سے باہر جائیں تو دیگر عبادات روزہ،حج،زکوۃ پھر نکاح،طلاق،تجارت اور دیگر معاملات۔غرضیکہ صحابہ کرامؓ کے اپنے اپنے اجتہادات کے نتیجے میں ہزاروں مسائل میں الگ الگ آراء سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں بلکہ آثار صحابہؓ کے عنوان سے مستقل تصنیفات موجود ہیں۔

اصولی اختلاف کے بارے میں ضوابط

شریعت اسلام میں بعض عقائد وہ ہیں جو ضروریات دین کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ قطعی دلائل یعنی نصوص قرآنی،احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے توحید باری تعالیٰ،رسالت انبیاءؑ،سابقہ کتب سماویہ،وقوع

قیامت، قضاء وقدر، وجود ملائکہ وغیرہ۔ ان عقائد میں رتی برابر شبہ رکھنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اس لئے کہ یہ اسلام کی مضبوط اور مرتفع عمارت کے لئے ایک اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو تسلیم کئے بغیر کسی صورت بھی ایمان معتبر نہیں ہوسکتا اس لئے ان کو متکلمین کی اصطلاح میں ''ایمانیات'' سے تعبیر کی جاتا ہے۔ ''ایمان مفصل'' اور ''ایمان مجمل'' کے نام سے جو مخصوص کلمات بچپن میں یاد کروائے جاتے ہیں ان میں انہیں بنیادی عقائد کا تذکرہ ہے۔

بعض عقائد قطعی دلائل سے ثابت ہوتے ہیں اور کچھ گمراہ فرقے نفس عقیدہ کا انکار کئے بغیر ان دلائل میں تاویل باطل کر کے ان کا معنی اور مفہوم بدل دیتے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور خوارج کبیرہ گناہ کے مرتکب کو ایمان سے خارج سمجھتے ہیں اور جن نصوص میں کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کو صاحب ایمان کہا گیا ہے ان میں تاویل کرتے ہیں، اسی طرح معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں اور عذاب قبر کے بارے میں وارد احادیث میں تاویل کر لیتے ہیں تو ایسے مؤولین پر کافر تو نہیں البتہ فاسق اور خارج از اہل سنت والجماعت کا حکم لگایا جائے گا۔

کچھ عقائد وہ ہیں جن کا مرجع اور مصدر اخبار آحاد ہوتے ہیں اور وہ ثبوت میں اس درجہ کے نہیں ہوتے کہ ان کے نہ ماننے سے ایمانی حیثیت مشکوک ہو جائے، تو ایسے عقائد کے نہ ماننے والوں پر فاسق وفاجر، گمراہ اور ضال و مضل کا فتوی چسپاں کرنا یا ان کے ماننے والوں مشرک اور مبتدع فی الدین کہنا علم کلام کے اصولوں کی روشنی میں کسی طرح درست نہیں، اسی طرح ان مسائل کو لے کر مناظرہ بازی کا بازار گرم کرنا اور اس انداز سے ان کو عوامی سطح پر اجاگر کرنا کہ عوام انہیں ضروریات دین کی طرح ایمانیات کے درجے میں سمجھنے لگ جائے، یہ بھی علم اصول کی منادیات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں گذرا کہ سماع اموات کے مسئلہ میں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع کے قائل ہیں جبکہ حضرت عائشہؓ کا موقف عدم سماع کا ہے اور دونوں کا شمار جلیل القدر فقہاء میں ہوتا ہے۔ اسی طرح شب معراج میں زیارت باری تعالیٰ کے مسئلے میں حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ اپنی اپنی رائے رکھتے ہیں، حضرت عائشہؓ دیدار الٰہی کی منکر اور حضرت امیر معاویہؓ اس کے قائل ہیں۔ اب اگر ان جیسے عقائد میں معتقدین کو مشرک ٹھہرایا جائے اور منکرین کو اہل سنت سے خارج کہا جائے تو سوچیے کہ سب سے پہلے اس فتوی کی زد میں کون آئیں گے؟ کیا ہمارا ایمان صحابہ کرامؓ کے ایمان کو مشکوک ٹھہرانے کے بعد سلامت رہے گا؟ لہٰذا ایسے مختلف فیہ مسائل کو لے کر ایک تو اعتدال کی راہ پر چلا جائے اور دوسرا ان خالص علمی مباحث کو درسگاہوں اور تحقیقی تصنیفات تک محدود رکھا جائے، عوام میں تشویش کی فضاء قائم نہ کی جائے۔ (جاری ہے)

مولانا محمد فیاض خان سواتی

وفیات

[۱] ابھی کل (۲۷ جنوری ۲۰۲۲ء) شام ہی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی نے میری خواہش پر اپنی تمام اسناد کی مجھے اجازت مرحمت فرمائی تھی، ان کے لئے صحت کی دعائیں بھی جاری تھیں کہ ان کا وقتِ مقررہ آن پہنچا، جمعہ کے بعد یہ دل فگار خبر سنی کہ وہ طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے ہیں۔

ان للّٰہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ وکل شیء عندہ باجل مسمیٰ۔

اس خانوادہ سے ہمارے بزرگوں کا بڑا قدیمی تعلق ہے، ہم ان کی وفات پر جملہ خاندان سے تعزیت کرتے ہوئے ان کے غم میں برابر شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ان کی جملہ خدمات کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے آخرت کی تمام منزلیں آسان فرمائے اور خلدِ بریں کا مکین بنائے۔

آمین بحرمۃ سید الانبیاء و المرسلین۔

ذیل میں ان کے صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر غازی عبدالرحمٰن آف ملتان نے گزشتہ رات میرے واٹس ایپ پر حضرت کا تعارف اور ان کی اجازت کی وڈیو ارسال فرمائی تھی، جو قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے اور حضرت کے لئے حسبِ استطاعت ایصالِ ثواب کی درخواست بھی ہے۔

''عزت مآب معلّٰی القاب حضرت مولانا فیاض خان سواتی صاحب مدظلہ

والدمحترم حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی مدظلہ نے آپ کو اپنی تمام اسناد حدیث کی اجازت دی ہے۔

حضرت والد صاحب مدظلہ کے استاد حضرت مولانا مفتی فقیراللہ رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد ہیں۔ مفتی فقیراللہؒ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے بانی مولانا حبیب اللہؒ کے والد ہیں۔

والد صاحب نے ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث کیا اور بخاری شریف حضرت مولانا مفتی فاروق احمد صاحبؒ سے

پڑھی جو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے شاگرد تھے اور دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی رہے۔اورانہوں نے اپنے والد مولانا صدیق احمدؒ کے ہمراہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زیارت کی۔مولانا محمد احمد بہاول پوریؒ تبلیغی جماعت والے مفتی فاروق احمدؒ کے صاحبزادے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں حضرت والد صاحب مدظلہ اپنے والد ماجد حضرت مولانا فضل محمدؒ کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آٹھ دن ان کے مہمان رہے۔ جب کہ دادا جان حضرت مولانا فضل محمدؒ نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا اور حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی۔''

ویڈیو کلپ میں اجازت کے الفاظ :

'' جناب حضرت مولانا فیاض خان صاحب سواتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے بیٹے غازی عبدالرحمٰن صاحب کے ذریعے آپ کا سلام اور پیغام ملا، یادآوری کا بہت بہت شکریہ۔

آپ نے جو سندِ حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا ہے، میری طرف سے جتنی سندیں ہیں، سب کی آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے، اِن دنوں میری طبیعت بڑی علیل ہے، بیمار ہوں، صاحبِ فراش ہوں، آپ کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔

والسلام

محمد محمد قاسم قاسمی

خادم جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

۲۷ جنوری ۲۰۲۲ء''

[۲] پیر عظیم بٹ گوجرانوالہ۔

[۳] ہمشیرہ اشفاق درانی گوجرانوالہ

[۴] قاری عقیل احمد لدھیانوی گوجرانوالہ

[۵] حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی سابق امیر جمعیۃ علماء اسلام کے دوسرے صاحبزادے

حضرت مولانا حاجی مطیع الرحمٰن درخواستی بھی گزشتہ ماہ طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے ہیں، مرحوم ایک عالم با عمل اور جامعہ مخزن العلوم کے ناظم تھے اور زندگی بھر دینی خدمات انجام دیتے رہے، ہمارے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم میں بھی تشریف لاتے رہتے تھے، ہم ان کی وفات پر ان کے خانوادہ اور متعلقین سے تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ان کی جملہ خدمات کو اپنی بارگاہِ اقدس میں شرف قبولیت بخشتے ہوئے جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

☆ قارئین کرام ان تمام وفات پانے والے خواتین و حضرات کیلئے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ ان کی غلطیوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

''پاکستانی مسلمان بھارت کیساتھ دشمنی کا اظہار اس لیے نہیں کرتے کہ وہ کافر اکثریت کا ملک ہے، اگر ایسا ہو تو ان کے جذبات چین وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کے ہونے چاہئیں۔ ہمارے خیال میں اسکی اصل وجہ مسئلہ کشمیر کے حل میں مسلسل تاخیر اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھارت کا کردار ہے۔''

[مولانا زاہد الراشدی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم --- ❁ --- مولانا محمد فیاض خان سواتی

جماعتی زندگی کے تین رکن

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نور اللہ مرقدہ سے کون واقف نہیں، جمعیۃ علماءِ ہند کے اکابر انہیں جمعیۃ کے اجلاسوں میں خطبہ صدارت کے لئے اعزاز بخشتے تھے، ان کی ایک پُر مغز اور ادیبانہ تحریر آج نظر سے گزری تو مناسب معلوم ہوا کہ جمعیۃ علماءِ اسلام کے احبابِ کرام کی تربیت کے لئے ان کی خدمت میں بھی پیش کروں، کیونکہ اس میں ہمارے لئے جماعتی زندگی گزارنے کے راہنماء اصول موجود ہیں، اگر ہم ان پر عمل پیرا رہیں گے تو چوں چوں کے مربے سے چھٹکارا پائیں گے، تو پھر ملاحظہ فرمائیں ......

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ المتوفی ۱۳۷۷ھ رقمطراز ہیں۔

''...... کتاب وسنت نے جماعتی زندگی کے تین رُکن بتلائے ہیں۔

☆ تمام لوگ کسی ایک صاحبِ علم وعمل مسلمان پر جمع ہو جائیں، اور وہ ان کا امام ہو، وہ جو کچھ تعلیم دے، ایمان و صداقت کے ساتھ قبول کریں۔

☆ قرآن وسنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں، اُن کی بلا چون و چرا تعمیل واطاعت کریں۔

☆ سب کی زبانیں گونگی ہوں، صرف اسی کی زبان گویا ہو، سب کے دماغ بیکار ہو جائیں صرف اُسی کا دماغ کارفرما ہو۔ لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ، صرف دل ہو جو قبول کرے، صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں ہے، تو ایک بھیڑ ہے، ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے، کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے، مگر نہ تو ''جماعت'' ہے نہ ''امت''۔ ''نہ قوم'' نہ ''اجتماع''۔ اینٹیں ہیں، مگر دیوار نہیں، کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں، قطرے ہیں مگر دریا نہیں، کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں، مگر زنجیر نہیں ہے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر لے سکتی ہے ...... '' (مسئلہ خلافت ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲، طبع لاہور)